

پردے کا حکم

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ [النور: ۳۱]

”اور مومن عورتوں سے کہہ دے: اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔“

مومن کی شان دنیا میں مہمان

یہ عالم رنگ و بو جسے دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کی آرائش و زیبائش اور جلوہ ور عنائی اگرچہ بڑی پُرکشش و دل فریب ہے مگر اسی عالم میں بسنے والے ایسے بندگانِ مولیٰ بھی ہیں جن کی آنکھوں کو یہ رزق و برق نہ خیرہ کرتا ہے اور نہ یہ لالہ و گل ان کے دلوں کو سرشار و شاد کام! بلکہ سکون و سروران کو کسی اور شے سے فراہم ہوتا ہے۔ ہاں یہی خواصگانِ رب کریم کی شان اور پہچان ہے: **ألا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میرے والد روزے سے تھے، افطار کے لیے کھانا حاضر کیا گیا، اسی موقع پر آپ کو حضرت معصب بن عمیر یاد آ گئے، کہنے لگے: مصعب شہید کر دیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے لیکن ان کو کفن دینے کے لیے صرف ایک چادر میسر تھی اور وہ بھی ناکافی، سر کو چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتا اور پیر کو چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا۔ پھر دنیا ہم پر کھول دی گئی اور ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں دنیا میں ہی دے دیا گیا۔ یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے اور کھانا چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری: ۱۱۳/۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں غالباً سب سے مال دار اور اللہ کے راستے میں بڑے سخی اور فیاض شخص کا دنیا کی نعمتوں کے بارے میں یہ اندیشہ اور خوفِ عیش و عشرت میں زندگی گزارنے والے صاحبِ ایمان کے لیے لمحہ فکر یہ ہے۔

ایک دوسرے صحابی رسول حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مال طلب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا۔ پھر دوبارہ سوال کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ پھر سوال کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوازا دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی: ”اے حکیم! یہ مال بڑا خوش رنگ اور شیریں ہے۔ جس نے اسے نفس کی بے نیازی کے ساتھ لیا اس کا مال باعثِ خیر و برکت ہے۔ اور جس نے لالچ کے ساتھ اسے حاصل کیا اس کے مال میں خیر و برکت نہیں دی جائے گی۔ اور وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو کھاتا ہے مگر آسودہ نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔“ اس نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ حکیم نے قسم کھائی کہ اب تا حیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے کچھ نہیں لوں گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب کیا گیا کہ مال سے نوازا جائے۔ مگر اللہ کے رسول سے کیے گئے پیمان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر کا دور خلافت آیا، اس دور میں بھی آپ اسی عہد پر قائم رہے۔ حضرت عمر نے کہا: مسلمانوں! گواہ رہنا، فہمی کے مال میں حکیم رضی اللہ عنہ کا جو حق تھا میں نے ان کو وہ حق دینا چاہا مگر انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین، ج: ۴، ص: ۵۲۴)

الغرض حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے گئے اپنے پیمان پر پوری زندگی قائم رہے اور حکومت سے اپنا حق لینا بھی گوارا نہ کیا۔ سبحان اللہ، کیا شان بے نیازی تھی ان صحابہ کرام کی دنیا اور اس کی نعمتوں کے سلسلے میں! اور شاید یہی راز تھا ان نفوسِ قدسیہ کی محبوبیت کا دربارِ الہی میں اور بندگانِ الہی کی نظروں میں، اس لیے کہ محبوبیت کا یہ گر اُن کو ان کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا۔ ایک صحابی نے آکر اللہ کے رسول سے یہی سوال کیا: ”ذلّٰنی علی عمل یحبّنی اللہ و یحبّنی الناس“، قال: ((ازھد فی الدنیا یحبّک اللہ، و ازھد بما عند الناس یحبّک الناس))۔ (ابن ماجہ بحوالہ ریاض الصالحین: ۴۷۲) ”مجھے ایسے عمل کی راہنمائی فرمادیں جس کی وجہ سے اللہ مجھے محبوب رکھے اور لوگوں کا بھی عزیز بن جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ اللہ تجھے محبوب بنالے گا اور جو لوگوں کے پاس ہے اس سے بھی بے رغبت ہو جاؤ لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔“ (مولانا عبدالتین مدنی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكُونَنَّ لَهُ شُكْرًا

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

مسک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

لاہور

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

26 ربیع الاول 1434 ھ جمعۃ المبارک 08 تا 14 فروری 2013ء

شماره 06 جلد 64

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلغوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم

مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی 0333-4611619

کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد 0344-4656461

جواہر پارے

پردے کا حکم

کلمہ طیبہ

مومن کی شان دنیا میں مہمان

اداریہ

توجہ فرمائیے

درس قرآن

تفسیر سورہ یس..... (۵۹)

درس حدیث

غنیۃ القاری بترجمة ثلاثیات البخاری (۷) (تسمیل: حافظ محمد اشرف سعید رحمہ اللہ)

اصلاح معاشرہ

حقیقی محبت اور ”ویلنٹائن ڈے“ کی محبت

نقد و نظر

فضائل اُبی حنیفہ و أخبارہ و مناقبہ (۶) (مولانا ارشاد الحق اثری)

اسلامی معیشت

اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات..... (۱) (مولانا حافظ محمد عبدالحمد ازہر)

تذکرہ علمائے اہل حدیث

امام عبد الجبار غزنوی رحمہ اللہ

شعر و ادب

غزل

(محمد اشرف جاوید)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
: 4 ABL 2466-4 بلال گنج پراج لاہور
: 042-3735 4406
: 042-37229802
: CPL : 12 رجسٹرڈ نمبر

فی پرچہ : 12/- روپے
سالانہ : 500/- روپے
بیرونی ممالک سے : 200/- ریال
60/- ڈالر امریکی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

توجہ فرمائیے

کہنے کو تو ہر لیڈر غمِ عوام میں گھلا جاتا ہے کیا مسلم لیگے ہوں اور کیا پہلے لیکن عملاً دیکھیے تو ہر لیڈر ”روشن مستقبل“ کی آس میں انتخابات کا منتظر ہے۔ انتخابات ہوتے ہیں کہ نہیں؟ اور اگر ہوتے ہیں تو کیا گل کھلاتے ہیں، ہماکس کے سر پر بیٹھتا ہے اور پیا کس کو چاہتا ہے کہ ”جسے پیا چاہے وہی سہاگن ہو“ کا محاورہ ہمارے ہاں کے کارزار سیاست پر ہی فٹ ہوا کرتا ہے۔ ہمارے سیاستدانوں کا حال یہ ہے کہ طاغوتی سانپ وطن عزیز کو ڈس کر جب دور اور بہت ہی دور نکل جاتا ہے پھر یہ اس کی لکیر کو پیٹتے رہتے ہیں۔ عالمی حالات کے تناظر میں نظر یہ آتا ہے کہ پاکستان میں اسی جماعت یا انھیں سیاستدانوں کے سر پر اقتدار کا ہما بیٹھے گا جو افغانستان میں پھنسی اور گھری ہوئی امریکی یا نیو افواج کی صحیح سلامت واپسی کی مکمل گارنٹی دیں گے کہ امریکا ہزاروں مسلمانوں کے خون ناحق کا بوجھ کندھوں پر لا دے اور پہاڑوں سے سر پھوڑ کر اپنی فوج اور ساز و سامان بچا کر واپس جانا چاہتا ہے لیکن بہ خیریت واپسی کے لیے اس کو شخصی یا جماعتی گارنٹی مطلوب ہے کہ موت کا ڈر ہی کافرو مسلم کے مابین خط امتیاز ہے، یعنی کافر موت سے خوف کھاتا اور بھاگتا ہے اور مسلمان موت سے بھاگنا کیا وہ موت..... یعنی شہادت..... کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اب دیکھیے اس کو گارنٹی اس کی تربیت یافتہ کوئی شخصیت دیتی ہے، پشتینی ٹوڈی دیتا ہے، صھر کا لحاظ کرنے والا دیتا ہے، اس کا کوئی پروردہ فرستادہ دیتا ہے یا روشن مستقبل کا امیدوار۔ بہر حال امریکی ابرہہ کے ہاتھی ابا بیلوں سے خوف زدہ بہت ہیں لیکن اس کے ساتھ امریکا کو اپنی دسیسہ کاریوں پر یقین اور ذلہ خواروں پر اعتماد ہے کہ وہ کھائے ہوئے نمک کا حق ضرور ادا کریں گے۔

امریکی انخلاء یا ان کی بہ خیریت یا عدم خیریت سے واپسی اس وقت ہمارے زیر بحث نہیں نہ ہی فی الحال ہم اس پر کچھ کہیں گے اس وقت تو زیر غور عوام کی عسرت، بے روزگاری، فاقہ کشی، مہنگائی بلکہ ہر روز کی بڑھتی ہوئی مہنگائی ہے۔ بجلی، پانی، گیس کے بل تو پہلے ہی ناقابل برداشت تھے اب آٹا بھی غریب کی دسترس سے دور ہوا جا رہا ہے اور سیاستدان ہیں کہ انھیں جمہوریت کی فکر کھائے جا رہی ہے اور وہ اسی کے غم میں گھلے جا رہے ہیں۔ عوام کی سہولت کے نام پر جو تعمیراتی کام ہو رہے ہیں وہ دراصل ان قرضوں کے مصارف ہیں جو بیرونی حکومتیں اپنی مصنوعات..... ٹرانسپورٹ، مشینری اور ان کے پرزہ جات..... کی فروخت کے لیے دیتی ہیں اور حکمران اس وقت ایسے منصوبوں کی تکمیل میں جو تیزی لائے ہوئے ہیں وہ دراصل ان کی انتخابی مہم ہے کہ عوام آئندہ بھی انھی کو ووٹ دیں۔ وگرنہ یہ سٹرکیں اور شاہراہیں جن مزدوروں کی سہولت کے نام پر بنائی جا رہی ہیں پہلے ان کو روزگار تو دیں، ان کے گیس اور بجلی کے بلوں میں تخفیف تو کریں۔ ان کے گھر چولہے تو جلیں، تعمیرات پر خرچ ہونے والی خیر رقوم کو عوام کے آٹے، چاول، ادویات، لباس اور سردیوں میں پہننے والے جوتوں پر سبسڈی دیں تاکہ عوام سکھ کے کچھ سانس تو لے سکیں۔ جن ممالک کی ٹرانسپورٹ کی صنعت ہے وہ ہم جیسے ترقی پذیر ممالک سے جو تعاون کرتے یا ہم کو جو قرض دیا کرتے ہیں وہ شاہراہوں کی تعمیر کے نام پر دیتے ہیں لیکن ان کا مقصد اپنی مصنوعات کی فروخت ہوتا ہے جس کے نتیجے میں بڑے شہروں کے گرد کالونیاں اور ٹاؤن بنتے ہیں، ان کو آباد کرنے کے لیے سبزیاں، اناج اور فصلیں وغیرہ شہروں سے دور بہت دور چلی جاتی ہیں۔ جن پر بار برداری اور دیگر اخراجات سے ان کی مہنگائی غیر معمولی ہو جانا لازمی ہوتا ہے۔ ایسے ہی آسائش کے نام پر جن اشیائے تعیش کی T.V کے ذریعے تشہیر کی جاتی ہے ان کے استعمال میں عوام کے غیر معمولی رجحان سے بھی گھروں کے بجٹ متاثر ہوتے ہیں۔ پہلے تو ایک P.T.V تھا اب تو ان گنت چینلوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ اس طرح فاسٹ فوڈ..... تیز رفتار کھانے..... کو عوام میں سوچی سمجھی سازش کے تحت مروج کیا جا رہا ہے۔ آج سے بیس سال قبل موبائل فون،

انٹرنیٹ، فیس بک وغیرہ کا کسی کو علم تک نہ تھا اب ان فتنوں نے مالیاتی عدم توازن کے ساتھ ساتھ گھریلو اور معاشرتی قبا حوں کے علاوہ معاشرے کا سکون اور خاندانی ثقافتوں کو جس طرح غارت کیا جا رہا ہے اس کو سیاستدان، حکمران، صنعت کار، جاگیردار اور اشرافیہ کیا جانیں، ٹھیک ہے کہ سیاست قوموں کی دائمی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ نظامہائے حکومت میں سے جمہوریت ہی بہتر ہوگی لیکن جس ملک کے عوام کو نہ روٹی ملے، نہ ضروریات زندگی..... خوراک، دوائی، لباس..... میسر ہوں حتیٰ کہ عوام کی جان ہر وقت خطرے میں ہو اور انھیں اپنے مال پر گدھیں منڈلاتی دکھائی دیں۔ انھیں یہ آرائش کہاں بھاتی ہے وہ اس سے کیا لطف اندوز ہوں گے یا وہ اس سے کیا حظ محسوس کریں گے۔ سیاست کا مقصد ہمارے علم میں یہی ہے کہ اس سے عوام کی فلاح و بہبود مقصود ہوتی ہے جس کا ذریعہ سیاستدان ہوتے ہیں اگر سیاستدان ہی عوامی فلاح و بہبود کی خدمت سرانجام نہ دے سکیں، ملکی آمدن میں اضافہ نہ کر سکیں، عوام کو روزگار مہیا نہ کر سکیں حکومتی اخراجات متوازن نہ رکھ سکیں، عوام کو انصاف بروقت اور ہر وقت نہ دلا سکیں، ملک کے باسیوں کو جان و مال کا تحفظ نہ دے سکیں ان کے ملکی سیاست میں حصہ لینے، عوام کے غم کا زبان سے..... بغیر عمل کے..... اظہار کا انھیں کوئی حق نہیں۔ ایسے لیڈروں اور قائدین کے لیے بہت پہلے فیض کہہ گئے تھے۔

مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے
منصف ہو تو اب حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے

ہمارے منصف اعلیٰ..... چیف جسٹس..... تو دھیرے دھیرے بدعنوانی کی رقوم لانے کی تگ و دو بھی کر رہے ہیں اور بدعنوان افراد کے چہروں سے پردے بھی اٹھا رہے ہیں لیکن بدعنوانی کی بنیاد جب بدینیتی پر مبنی ہو تو اس بدعنوانی کی نہ کوئی انتہا ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر قابو پانا اتنا آسان ہوتا ہے الا یہ کہ ان مجرمین کو سزا سرام دی جائے لیکن کم از کم ہماری جمہوریت میں یہ اس لیے ممکن نہیں کہ حزب اقتدار و حزب اختلاف کے ہر فرد کے ہاتھ میں استحقاق کا گرز ہوتا ہے۔ ہر ملازم اس سے بچنے ہی میں عافیت جانتا ہے۔ ہاں! البتہ ایک بات سے ہم اب تک لاعلم ہیں کہ عدالت عظمیٰ نے بدعنوانی کی جو رقوم وصول کی ہیں وہ کہاں گئیں؟ بہ ظاہر تو یہ لگتا ہے کہ وہ وطن عزیز کے خزانے میں جمع ہو گئی ہوں گی اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا لیکن اس کا عوام کو فائدہ کیا ہوا؟ کیا ان رقوم سے بجلی یا گیس سستی نہیں ہو سکتی تھی؟ یا کوئی پاور پراجیکٹ نہیں لگ سکتا تھا؟ کہ عوام کو بھی اس کی برآمدگی کا فائدہ پہنچتا۔ بدعنوانی کا ایک ملزم تو قیر صادق آج کل عدالت عظمیٰ کی زد میں ہے۔ اخبارات کے مطابق جس کی طرف ۸۲ ارب روپے کی بدعنوانی منسوب ہے۔ اسی طرح رینٹل پاورکس بھی اور اس کے ملزمان بھی عدالت عظمیٰ کے زیر قلم ہیں۔ ہم جیسے عوام عدالت عظمیٰ کے اس تگ و دو کے معترف بھی ہیں اور شکر گزار بھی لیکن خلق خدا یہ چاہتی ہے کہ اس کا فائدہ عوام تک بھی پہنچے اور پہنچتا نظر آئے نیز کرپشن کی دراڑیں رخنے اور جھرنے بھی تو بند ہونے چاہئیں جس کے لیے ایسے بیوروکریٹس کام آسکتے ہیں جو اپنی صلاحیت..... Marit..... سے اس منزل تک پہنچے ہوں کہ ایسے افراد سیاستدانوں کے نہیں حکومت کے وفادار ہوتے ہیں اور ان میں سے اکثریت کے غیر سیاسی ہونے کی وجہ سے اصحاب دیانت ہونے کا امکان زیادہ قوی ہوتا ہے۔

یہ سطور یا ان کا مفہوم اگر پنجاب کے خادم اعلیٰ کی نظر سے گزر سکے تو ان سے درخواست ہے کہ وہ کم از کم اپنے دائرہ اختیار..... یعنی پنجاب..... میں ہر انسان کی بنیادی ضروریات پہنچانے کی کوشش کریں مسلمانوں میں ہمیشہ سے محمد اللہ جذبہ خیر بھی بے پایاں ہوتا ہے اور اصحاب خیر بھی بے شمار ہوتے ہیں اور ایسی خدمات تو جناب میاں صاحب آپ کا خاندانی شعار بھی ہے۔ تعلیمی سہولتیں اور سفر کی آسانیاں بھی ہونی چاہئیں لیکن بنیادی ضرورتیں ہر انسان اور ہر شہری کا حق ہیں جس کے آپ عند اللہ بھی جواب دہ ہیں اور عند الناس بھی۔

خدا را آپ اس کی طرف توجہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انصُرْنَا عَلٰی الْكٰفِرِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۴۷]

﴿رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَ هِیْٓ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾ [الکھف: ۱۰]

تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری

مراد ہے اور اس کی طرف متوجہ کرنا اور اس پر غور و تدبر کی دعوت بھی مطلوب ہے کہ جن چوپاؤں کو ہم نے پیدا کیا ہے انھیں عبث اور بے کار پیدا نہیں کیا بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت کارفرما ہے۔ اور وہ کیوں غور نہیں کرتے کہ ان کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کا کوئی مفاد واسطہ نہیں بلکہ یہ سب تمھارے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں۔ صرف یہ چوپائے ہی نہیں بلکہ:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾

[البقرة: ۲۹]

”وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے سب تمھارے لیے پیدا کیا ہے۔“

چوپائے، مثلاً: گائے، بھینس، بیل، بھیڑ، بکری اور اونٹ ہی نہیں زمین سے پیدا ہونے والے اناج، پھل، میوے، ترکاریاں اور درخت وغیرہ سب انسانوں کے فائدے کے لیے ہیں۔

﴿مِمَّا عَمِلْتُمْ آيِدَيْنَا أَنْعَامًا﴾ ”جو کچھ تمھارے ہاتھوں نے بنایا ان میں سے مویشی بھی ہیں۔“

”أنعام“ یہ ”النعيم“ کی جمع ہے جو خاص طور سے اونٹوں پر بولا جاتا ہے۔ اور اونٹوں کو ”نعم“ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ عرب کے لیے سب سے بڑی نعمت تھے۔ ”أنعام“ کا لفظ بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے پر بولا جاتا ہے مگر ان جانوروں پر ”أنعام“ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹ بھی ان میں شامل ہوں۔ اور اس کا اطلاق (گھاس پھوس کھانے والے) تمام جانوروں پر بھی ہوتا ہے۔ (مفردات)

جب کہ ”دواب“ اور ”دابة“ کا لفظ زمین پر چلنے والے تمام حیوانات اور حشرات الارض پر بولا جاتا ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ آيِدَيْنَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مِلْكُونَ ۝ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝﴾ [یس: ۷۱-۷۳]

”اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان چیزوں میں سے جنھیں ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے ان کے لیے مویشی پیدا کیے، پھر وہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے انھیں ان کے تابع کر دیا تو ان میں سے کچھ ان کی سواری ہیں اور ان میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں۔ اور ان کے لیے ان میں کئی فائدے ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔“

پہلی آیات میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا بیان تھا اور کفار کے اس زعم فاسد کی تردید تھی کہ محمد ﷺ شاعر ہیں۔ اس کی تردید میں دو ٹوک الفاظ میں فرمایا گیا کہ ہم نے انھیں شعر و شاعری کی تعلیم ہی نہیں دی اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے بلکہ یہ تو جو کچھ تمھیں سناتے ہیں وہ سراسر فصاحت اور قرآنِ مبین ہے۔ ان کا مشن خبردار کرنا اور قیامت سے ڈرانا ہے، مشاعرے کی مجلس سجانا نہیں۔

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کی توحید کا بیان ہی رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لیے جو کچھ پیدا کیا ان میں سے ہم نے مویشی پیدا کیے۔ ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا﴾ یہ استفہام تقریری ہے جو کسی واضح حقیقت کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ اور کبھی ”أَلَمْ يَعْلَمُوا“ ”کیا انھیں معلوم نہیں“ کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ اس سے ایک حقیقت کی خبر دینا بھی

۵

”ہمارے بندے داود کو یاد کر جو قوت والا تھا۔“

اس لیے ﴿عَمِلْتَ آيِدَيْنَا﴾ سے مراد بھی یہی ہے کہ جسے ہم نے اپنی قوت و قدرت سے بنایا ہے۔ مگر جہاں ”ید“ واحد یاثنیہ آیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہی مراد ہے۔ متعدد احادیث میں اس کی صراحت آئی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”أنت آدم الذي خلقك الله بيده.“

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۷۴۴ وغیرہ)

”آپ وہ آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔“

اور آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ موسیٰ ہیں، آپ کو اللہ نے اپنا ہم کلام بنایا:

”وخط لك بيده.“

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۷۴۲)

”اپنے ہاتھ سے آپ کے لیے تورات لکھی۔“

یہی روایت مختصراً صحیح بخاری کے علاوہ امام ابن خزیمہ کی کتاب التوحید (۱/۱۲۷) اور السنۃ لابن ابی عاصم (رقم: ۱۵۳) وغیرہ کتب میں بھی ہے۔ ان دونوں نبیوں کے اس مکالمے کا ذکر دیگر صحابہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث شفاعت میں مروی ہے کہ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے:

”أنت آدم أبو الخلق، خلقك الله بيده.“

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۲۲)

”آپ آدم سارے انسانوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو

اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔“

بلکہ قرآن مجید میں بھی ہے:

﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ

بِيَدَيَّ اسْتَكْبَرْتَ أَهْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ﴾ [ص: ۷۵]

﴿آيِدَيْنَا﴾ کا معنی ”ہمارے ہاتھ“ ہے مگر یہاں مراد اللہ کی قدرت و قوت ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کی نگاہ جدھر اٹھتی ہے اور ہر سو جو مخلوق انہیں نظر آتی ہے کیا وہ اسے دیکھتے نہیں اور اس پر غور و فکر نہیں کرتے کہ ان سب کو ہم نے ہی اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے۔ ان کے بنانے میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں۔ نہ ہی ان کے بنانے میں ہمارا کوئی شریک ہے، نہ ہی ان کو پیدا کرنے میں ہم نے کسی کو کولت نامہ دیا ہے بلکہ یہ بس ہماری قدرت و حکمت کا نتیجہ ہے۔

”ید“ کا لفظ قرآن مجید میں مفرد،ثنیہ اور جمع تینوں اعتبار سے آیا ہے: ﴿بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ [الملک: ۱]، ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ [ص: ۷۵]، ﴿عَمِلْتَ آيِدَيْنَا﴾ [یس: ۷۲]

حافظ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ جہاں کسی فعل کی نسبت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف ہو، اور یہاں ”ید“ کے ساتھ ”باء“ آیا ہے، جب کہ وہ مفرد اور ثنیہ ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عمل مباشرۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ یہاں مجازی معنی کا کوئی احتمال نہیں برعکس ﴿عَمِلْتَ آيِدَيْنَا﴾ کے کہ یہاں مجازی معنی مراد ہے کہ ہم نے اسے اپنی قوت سے بنایا اور پیدا کیا ہے، جیسے ایک دوسری آیت میں ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيِدِيكُمْ﴾

[الشوری: ۳۰]

”اور جو بھی تمہیں مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو

تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔“

میں ہے۔ یہاں ﴿آيِدِيكُمْ﴾ سے مراد صرف ہاتھوں کا کسب نہیں بلکہ وہ تمام عمل و کسب مراد ہیں جو اپنی قوت و طاقت سے کیے گئے ہوں۔ بلکہ علامہ راغب نے لکھا ہے کہ ”أيد“ سے مراد قوت ہے۔ اسی معنی میں یہ آیت ہے:

﴿أُولَئِی الْأَیْدِی وَالْأَبْصَارِ﴾ [ص: ۴۵]

”جو قوت والے صاحب نظر تھے۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿وَإِذْ كَرَّ عِبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَیْدِ﴾ [ص: ۱۷]

”فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ تُو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا؟ کیا تُو بڑا بن گیا یا تھا ہی اونچے لوگوں میں سے؟“

اگر اس سے یہ مراد ہے جیسا کہ عموماً مؤلفین نے کہا ہے کہ میں نے اسے خود آپ بہ نفس نفیس بلا واسطہ بنایا ہے تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام کا کیا شرف ہے؟ ساری مخلوق کو اللہ ہی نے بنایا ہے۔ آدم کو مٹی سے اور دوسرے انسانوں کو پانی سے، ان کے بنانے میں بھی کسی کا کوئی عمل دخل نہیں۔

علامہ ابن ابی العز نے فرمایا ہے کہ ﴿خَلَقْتُ بَيْدَيَّ﴾ کے یہ معنی صحیح نہیں کہ میں نے اسے اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو ابلیس لعین بھی کہہ دیتا کہ مجھے بھی آپ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے، اس لیے آدم کو مجھ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر اس نے یوں نہیں کہا کیونکہ ابلیس کو اپنے کفر کے باوجود جہمیہ فرقے سے زیادہ اللہ کی معرفت تھی۔ (شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۲۲۰)

اللہ تعالیٰ کی صفت ”بد“ سے قطعاً یہ مراد بھی نہیں کہ انسان کے اعضاء و جوارح کی طرح یہ بھی (معاذ اللہ) اللہ کے اعضاء ہیں۔ بلکہ:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾

[الشوری: ۱۱]

”اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

جیسے وہ سمیع و بصیر ہے مگر انسان کی مثل سمیع و بصیر نہیں۔ جس طرح اس کی ذات بے مثال اور بے نظیر ہے اسی طرح اس کی صفات بھی بے مثال اور بے نظیر ہیں۔ ان کو انسان کے اعضاء کی طرح سمجھنا سراسر ضلالت اور گمراہی ہے۔ یہی صحابہ کرام اور سلف کا موقف ہے جس کی تفصیل کتاب التوحید لابن خزیمہ، السنہ لابن ابی عاصم، السنہ لعبد اللہ بن احمد، الاسماء الصفات، العقیدۃ الواسطیہ، الصواعق لابن قیم اور شرح العقیدۃ الطحاویہ وغیرہ کتب میں موجود ہے۔

﴿فَهُمْ لَهَا مِلْكُونَ﴾ ہم نے نفع بخش چیزوں کو پیدا کر کے

انسانوں کو ان کا مالک بنا دیا، اب وہ ان میں ہر طرح کا مالکانہ تصرف کر سکتے ہیں۔ چاہیں تو ان سے فائدہ حاصل کریں اور اپنی ضروریات زندگی میں ان سے کام لیں اور اگر چاہیں تو فروخت کر کے ان کی قیمت حاصل کریں۔

عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو کسی چیز کو پیدا کرنے والا اور بنانے والا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے۔ یہ چوپائے جب اللہ نے بنائے ہیں تو حقیقی مالک بھی وہی ہے۔ اس نے انسانوں پر احسان کیا ہے کہ انھیں ان کی ملکیت میں دے دیا ہے۔

ان کا مالک بنانے کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ وہ ان سے جیسا چاہیں سلوک کریں۔ زمانہ جاہلیت میں جانوروں پر بھی غلاموں کی طرح بڑا ظلم ڈھایا جاتا۔ جانوروں کو باندھ کر نشانے بازی کی جاتی۔ زندہ اونٹ کی کوبان یا دنبے کی چکی یا کوئی اور حصہ کاٹ کر کھایا جاتا۔ کوئی مرجاتا تو اس کی سواری کو اس کی قبر کے پاس باندھ دیا جاتا اور وہ بھوکی پیاسی مرجاتی۔ اس قسم کے ظلم و ستم سے اسلام نے منع کر دیا بلکہ حکم فرمایا کہ ان سے وہی کام لیے جائیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا ہے۔ اسی طرح اونٹوں کو بلکہ جانوروں کو باہم لڑانے سے منع کیا ہے۔ (أبوداود، رقم الحديث: ۲۵۶۲)

اسی طرح جانوروں کے منہ پر مارنے یا اس پر داغ لگانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے بلکہ ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔

(أبوداود، رقم الحديث: ۲۵۶۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص ایک بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا تو بیل نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا:

”لم أخلق لهذا، خلقت للحرثاة.“

(صحیح بخاری، رقم الحديث: ۲۳۲۴)

”میں اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، میں کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

احادیث وارد ہیں۔ آپ ﷺ نے ((ارحموا من في الأرض يرحكم من في السماء .)) (ترمذی، رقم الحدیث: ۱۹۲۴) ”زمین پر بسنے والی مخلوق پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا۔“ فرما کر جو سبق دیا ہے وہ صرف انسانوں کے بارے میں نہیں ہے بلکہ حیوانات بھی اس میں داخل ہیں اور یہی ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۷] کی تعبیر ہے۔

اس لیے ان چوپاؤں کا مالک بنانے کے یہ قطعاً معنی نہیں کہ ان سے جو چاہو اور جس طرح چاہو معاملہ کرو بلکہ انسان کی طرح ان کے بھی حقوق ہیں جن کی پاس داری ضروری ہے۔

پروفیسر محمد حسین آزاد و ہاڑی کی رحلت

پروفیسر محمد حسین آزاد، و ہاڑی کی جامع مسجد اہل حدیث سعد بن ابی وقاص کے خطیب ۱۲ جنوری ۲۰۱۳ء ہفتے کے روز قضاۃ الہی سے وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم مولانا عبدالقادر حصاروی کے شاگرد تھے۔ بہادر پور جامعہ عباسیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی پنجاب یونیورسٹی سے ڈبل ایم۔ اے کیا۔ ازاں بعد گھوڑا گلی مری کالج میں اسلامیات کے شعبے کے صدر بھی رہے۔ کچھ عرصہ ابن القاسم الاسلامی ملتان میں پڑھایا۔ ان کی نماز جنازہ حسب وصیت مفتی حافظ عبدالستار الحمد صاحب نے پڑھائی۔ قارئین الاعتصام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ مرحوم نے سگواران میں بیوہ، بیٹا اور پانچ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ بچے سب شادی شدہ اور اپنے گھروں میں آباد و شاد ہیں۔ (محمد صدیق حسن)

مولانا عبدالعزیز راشد کے لیے دعائے صحت

ممتاز خطیب مولانا عبدالعزیز راشد فیصل آبادی گزشتہ دنوں برین ہیمرج کے باعث علیل تھے۔ اب انھیں افاقت ہے اور گھر منتقل ہو گئے ہیں۔ بعد ازاں مٹانہ کی تکلیف بھی ہوگئی۔ احباب ان کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں۔ (محمد زبیر عابد شیخ پوری، فون: 0332-4596975)

”جب تم شادابی کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ اور جب قحط کے زمانے میں سفر کرو تو ان کو تیزی سے چلاؤ۔“

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۹۵۹)

گویا قحط اور خشک سالی کی وجہ سے اونٹوں کو گھاس کی یا چارہ نہ ملنے کی جو تکلیف ہوتی ہے اس سے وہ بچ سکیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے جانوروں کی پیٹھ کو نمبر نہ بناؤ، اللہ نے انھیں تمھارا فرمانبردار اس لیے بنایا ہے وہ تم کو ایسے مقامات میں پہنچا دیں جہاں تم بڑی مشکل سے پہنچ سکتے ہو۔ (أبو داود، رقم الحدیث: ۲۵۶۹)

یعنی بلا ضرورت سواری کے جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھنا یا نیل پر یوں بیٹھنا کہ اس سے اسے تکلیف پہنچے مناسب نہیں۔ یہ ان کا مصرف نہیں بلکہ ان کا مصرف ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا اور ان سے کام کاج میں معاونت لینا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں ضرورت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس میں ایک اونٹ تھا، جیسے ہی اس نے رسول اللہ کو دیکھا وہ آب دیدہ ہو گیا اور بلبلانے لگا۔ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی کپٹی پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا: ”یہ کس کا اونٹ ہے؟“ انصاری نوجوان نے حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا اونٹ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أفلا تتقي الله في هذه البهيمة التي ملكك

الله آیاہا؟ فإنہ شکى إلی أنک تجعیه

وتدثبه .)) (أبو داود، رقم الحدیث: ۲۵۴۹)

”کیا تم اس اونٹ کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا مالک اللہ نے تمھیں بنایا ہے۔ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس پر جبر کرتے ہو۔“

جانوروں کے ساتھ شفقت و رحمت کے بارے میں متعدد

غنیۃ القاری

ترجمہ

ثلاثیات البخاری

تالیف: إمام المفسرین ، زیدۃ المحدثین
محی السنۃ نواب والا جہ صدیق الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ

تسمیل: حافظ محمد اشرف سعید رحمۃ اللہ علیہ

۱۵۔ پندرہویں ثلاثی حدیث:

”أخبر جہ البخاری فی ”باب بعث النبی ﷺ“ أسامة بن زید إلخ“ من ”كتاب المغازی“ المذكورة في الربع الثالث، هكذا حدثنا أبو عاصم الضحاك بن مخلد ثنا يزيد بن أبي عبيد عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه، قال: غزوت مع رسول الله ﷺ سبع غزوات وغزوت مع ابن حارثة، استعمله علينا.“

”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ”كتاب المغازی“ ربع ثالث، ”باب: نبی اکرم ﷺ کا حرقات قبیلہ کی طرف جو جہینہ کی ایک شاخ تھا، اسامہ بن زید کو بھیجا“ میں بیان کیا ہے۔

امام بخاری نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو ابو عاصم بن مخلد نے، ابو عاصم نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو یزید بن ابی عبید نے، یزید نے سلمہ بن اکوع سے روایت کی، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہا ہوں اور میں نے اسامہ بن زید کے ساتھ بھی غزوہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے انھیں ہم پر امیر بنایا تھا۔“

فائدہ: مراد ابن حارثہ سے زید بن حارثہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے متنبی اور خادم ہیں۔ زید کی والدہ اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھنے کے لیے نکلیں تھیں، اتفاقاً ڈاکوؤں نے ان کو آگھیرا اور زید کو اٹھا کر لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ وہ ان کو عکاظ کے بازار میں فروخت کرنے کے لیے لائے۔ حکیم بن حزام نے ان کو حضرت خدیجہ الکبریٰ کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ سے نکاح کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زید رضی اللہ عنہ

خدمت کے لیے آپ ﷺ کو دے دیے، پھر زید کے گھر والوں کو اس کی خبر ہوئی تو زید کا باپ حارثہ آپ ﷺ کی خدمت آیا اور عرض کیا: میرا بیٹا آپ ﷺ کے پاس ہے، اسے میرے ساتھ بھیج دیں۔ آپ ﷺ نے زید کو بلایا اور کہا: ”یہ تیرا باپ ہے، اگر تو اس کے ساتھ جانا چاہے تو جاسکتا ہے، اگر تو ہمارے پاس رہنا چاہے تو تجھے اختیار ہے۔“ زید نے کہا: میں آپ ﷺ کے پاس ہی رہوں گا۔ آپ ﷺ نے زید کو متنبی بنالیا، اس کی شادی اپنی لونڈی ام ایمن سے کر دی جو آپ ﷺ کو اپنے والد عبداللہ کی وراثت سے ملی تھی۔ یہ ام ایمن میدان جنگ میں پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹھی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ یہ حبشی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے ہاں اسامہ پیدا ہوا۔ انھوں نے حضرت عمر فاروق کی شہادت کے بیس دن بعد وفات پائی۔

زید کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام قرآن مجید میں لیا ہے جب کہ کسی اور صحابی کا نام نہیں لیا اور یہ غلاموں میں سے سب سے پہلے ایمان لائے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ یہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے جو کہ ایک جگہ کا نام ہے، بیت المقدس سے دو مرحلہ پر واقع ہے۔ یہ امیر تھے اس لشکر کے جس میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔

لیکن سیاق و سباق کی مناسبت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مراد زید بن حارثہ سے اس حدیث میں اسامہ بن زید بن حارثہ ہوں، اس لیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا اسامہ بن زید کو امیر بنا کر بھیجنے کا ذکر ہے۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کے مناقب کو خدا ہی جانتا ہے اور اسامہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں۔

یہ بہت کالے رنگ کے تھے جیسے غلاموں کے بچے ہوتے ہیں لیکن (بقیہ صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ کیجیے)

حقیقی محبت اور ”ویلنٹائن ڈے“ کی محبت

دو متضاد پہلو

حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلودارالسلام

اللہ تعالیٰ سے محبت:

قرآن وحدیث میں محبت کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اس میں سرفہرست بندوں کا اپنے رب سے محبت کرنا ہے۔ تمام کائنات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پر کسی اور شخص یا چیز کی محبت غالب نہیں آتی۔ مومنوں کی اس محبت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ [البقرة: ۱۶۵]

”اہل ایمان اللہ کے ساتھ محبت کرنے میں بہت سخت ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الإيمان: أن

يكون الله ورسوله أحب إليه مما سواهما.....

الخ)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۶)

”تین چیزیں جس شخص میں پائی جائیں وہ ایمان کی مٹھاس

محسوس کرنے لگتا ہے: ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ہر

چیز سے زیادہ محبوب ہوں..... الخ“

یہ ایک طبعی امر ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہو وہ اس سے ملاقات

کا مشتاق بھی بہت ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ

اس سے محبت کرتا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ محبت اپنے محبوب

سے ملاقات کی خواہش رکھتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه.))

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۸۳)

”محبت“ ایک ایسا لفظ ہے جو معاشرے میں اکثر پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں ہر فرد اس کا متلاشی نظر آتا ہے اگرچہ ہر متلاشی کی سوچ اور محبت کے پیمانے جدا جدا ہوتے ہیں۔ جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات چڑھتے سورج کے مانند واضح ہوتی ہے کہ اسلام محبت اور اخوت کا دین ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ تمام لوگ محبت، پیار اور اخوت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ مگر قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں محبت کو غلط رنگ دے دیا گیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ ”محبت“ کے لفظ کو بدنام کر دیا گیا ہے۔ صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے حقیقی محبت کا اظہار کرنا چاہے تو وہ بھی تذبذب کا شکار رہتا ہے جب کہ اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ جس سے محبت ہو اس سے محبت کا اظہار بھی کیا جائے۔

(سنن أبوداود، رقم الحدیث: ۵۱۲۴)

اس تمام صورت حال کا سبب فقط اسلامی تعلیمات سے دوری ہے۔ اسلام نے محبت کی تمام راہیں متعین فرمادی ہیں۔ جہاں محبت کے لفظ کو بدنام کر دیا گیا ہے وہیں ہمارے معاشرے میں محبت کی بہت ساری غلط صورتیں بھی پیدا ہو چکی ہیں۔ اس کی ایک مثال عالمی سطح پر ویلنٹائن ڈے کا منایا جانا ہے۔ ہر سال ۱۴ فروری کو یہ تہوار منایا جاتا ہے۔ ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے گفتگو کرنے سے پہلے ہم ”محبت“ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر بیان کرتے ہیں، اس لیے کہ ”ویلنٹائن ڈے“ کی حقیقت کو جاننے کے لیے اسلام کا ”معیار محبت“ اور اس کی ترتیب کو جاننا ضروری ہے۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کا خواہش مند ہوتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ سے محبت:

جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی ایمان کا حصہ ہے۔ ایک مسلمان کی کامیابی کا انحصار آپ ﷺ کی محبت کو قرار دیا گیا ہے۔ تمام کائنات سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کا ہونا لازم اور ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((والذي نفسي بيده لا يؤمن أحدكم حتى

أكون أحب إليه من والده وولده والناس

أجمعين .)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۵۰۱۴)

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر اسے محبوب نہ ہو جاؤں۔“

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی ﷺ سے محبت کا اعتراف یوں کیا تھا:

”ما رأيت في الناس أحدا يحب أحدا كحب أصحاب محمد محمدا .“

(تاریخ الطبری: ۲/۲۱۶)

”میں نے کسی کو کسی دوسرے سے ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محبت محمد (ﷺ) کے ساتھی اور ان سے کرتے ہیں۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت بھی ایمان کا حصہ ہے۔ قرآن و حدیث کی بہت ساری نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنا کفر و نفاق اور الحاد کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو مسلمانوں کے لیے آئیڈیل قرار دیا ہے۔ نبی ﷺ نے بار بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے اور ان سے بغض رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے، خصوصاً انصار صحابہ کے بارے میں

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((الأنصار لا يحبهم إلا مؤمن ولا يبغضهم إلا منافق، فمن أحبهم أحب الله ومن أبغضهم أبغضه الله .))

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۷۸۳)

”مومن شخص ہی انصار سے محبت رکھتا ہے اور منافق ہی ان سے بغض رکھتا ہے۔ جو ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا۔“

میاں بیوی کی باہمی محبت:

میاں بیوی کا آپس میں محبت کرنا شرعاً پسندیدہ اور مطلوب چیز ہے۔ دین اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ میاں بیوی آپس میں محبت کرنے کی بجائے غیروں سے محبت کی پیٹنگیں بڑھاتے پھریں۔ شریعت یہ چاہتی ہے کہ میاں بیوی کا یہ پاکیزہ بندھن خوش حال زندگی کا باعث بنے، اسی لیے شریعت نے ان کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی بہت زیادہ تلقین کی ہے۔ ان حقوق میں سے ایک اہم حق ان کا آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کی باہمی محبت کو قرآن میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الروم: ۲۱]

”اور (یہ بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے رفیقہ حیات کے انتخاب کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

((تزوجوا الودود الودود، فإني مكاثر بكم

ویلنٹائن ڈے:

عالمی سطح پر ”یومِ محبت“ کے طور پر ”ویلنٹائن ڈے“ کے نام سے منایا جانے والا یہ تہوار ہر سال پاکستان میں دیمک کی طرح پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ اس دن جو بھی جس کے ساتھ محبت کا دعوے دار ہے اسے پھولوں کا گل دستہ پیش کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ تہوار منانے والے ابھی تک اس بات کا فیصلہ نہیں کر پائے کہ یہ دن منانے کی وجہ آخر ہے کیا۔ اس حوالے سے مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ اگر ان روایات کو بھی بنیاد بنایا جائے تو ایک عقل مند اور باشعور انسان اس تہوار کو منانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ کوئی بھی باغیرت اور باحیثیت شخص کبھی یہ گوارا نہیں کرے گا کہ کوئی راہ چلتا شخص اس کی بیٹی کو پھولوں کا گل دستہ پیش کرے۔ اسی طرح کوئی بھی باحیا، باغیرت اور پاک دامن لڑکی کبھی یہ پسند نہیں کرے گی کہ اس کا کلاس فیلو، یونیورسٹی فیلو یا کوئی بھی راہ چلتا نوجوان اسے پھول پیش کرے اور محبت کی پیٹنگیں بڑھائے۔

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس دن کے حوالے سے مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں جن میں سے کوئی بھی مستند نہیں ہے، البتہ ایک خیالی داستان جو اس حوالے سے بہت مشہور ہو چکی ہے، اسے ذکر کرتے ہیں:

تیسری صدی عیسوی میں روم میں ”ویلنٹائن“ نامی ایک پادری کو ایک راہبہ سے ”عشق“ ہو گیا۔ عیسائیت میں راہبوں اور راہبات کے لیے نکاح ممنوع تھا اور اب بھی ممنوع ہے۔ اس نے عشق کو انتہا تک پہنچانے کے لیے ایک ڈرامہ رچایا اور اپنی معشوقہ سے کہا: ”مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ اگر ۱۴ فروری کو راہب اور راہبہ (بغیر نکاح کے) صنفی ملاپ کر لیں تو ان پر کوئی حد نہیں لگے گی۔“ راہبہ اس کے چکر میں آ گئی اور دونوں ”جوشِ عشق“ میں ”منہ کالا“ کر بیٹھے۔ کلیسا کی روایات کی یوں دھجیاں اڑانے پر انھیں قتل کر دیا گیا۔ اس پادری کا نام ”ویلنٹائن“ بتایا جاتا ہے جسے بعد میں ”عشاق“ کی طرف سے ”شہیدِ محبت“ کا لقب دیا گیا۔ اسی عاشق راہب ویلنٹائن کی یاد میں ہر سال

(الأمم ۱۰) (سنن أبو داود، رقم الحديث: ۲۰۵۰)
”تم اس عورت سے شادی کرو جو محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو۔ میں تمھاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔“

والدین اور اولاد کی آپس میں محبت:

والدین اور اولاد کے درمیان محبت کا ہونا ایک فطری چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس محبت کے اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر غالب ہونے کی صورت میں سخت وعید فرمائی ہے، اس لیے کہ محبت کا پہلا حق اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ گویا والدین اور اولاد کے مابین محبت شرعی طور پر مطلوب ہے مگر اس وقت جب اسے ثانوی حیثیت دی جائے اور اس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کو ترجیح حاصل ہو جیسا کہ بخاری کی مذکورہ بالا حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔
عام افراد کی آپس میں محبت:

اسلام امن و امان، اخوت اور محبت کا دین ہے۔ تمام لوگ معاشرے میں امن و امان اور محبت کے ساتھ پرسکون زندگی گزاریں، یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام مقدس میں تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ گویا جس طرح سگے بھائیوں کے درمیان محبت ہوتی ہے اسی طرح تمام مسلمانوں سے محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں مسلمانوں کے آپس میں محبت کرنے کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((ما أحب عبد الله إلا أكرم ربه

عز وجل ۱۰)) (مسند أحمد: ۲۵۹/۵)

”جب کوئی بندہ کسی دوسرے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے محبت رکھتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے پروردگار کی تکریم کرتا ہے۔“

یہ محبت اسی صورت لائق تحسین ہے جب بغیر کسی دنیوی لالچ اور طمع کے ہو۔

۱۴ فروری کو ”ویلنٹائن ڈے“ منایا جاتا ہے۔

یہ وہ داستان ہے جس کی بنیاد پر ایک جنوبی گروہ مسلم معاشرے خصوصاً پاکستان میں بے حیائی کو فروغ دے رہا ہے۔ باعثِ شرم بات تو یہ ہے کہ اس عاشقِ راہب اور معشوقہ راہبہ کا جس مذہب سے تعلق تھا وہ اس تہوار کو اپنا ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں مگر مسلمان ہیں کہ بے حیائی کے اس کلچر کو دل و جان سے قبول کیے ہوئے ہیں۔

باعثِ صد افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر چھایا ہوا ایک مخصوص گروہ ”ویلنٹائن ڈے“ کو ”یومِ تجدیدِ محبت“ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ماضی قریب تک ایسی ”محبت“ کو باعثِ عار سمجھا جاتا تھا مگر اب اسے باعثِ افتخار سمجھا جانے لگا ہے۔ ایک وقت تھا کہ اگر کسی کو عشق کی بیماری لگ جاتی تو وہ معاشرے میں اپنی عزت کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنے اس مرض کو ظاہر نہیں کرتا تھا۔ مگر آج وطن عزیز میں صورت حال یہ بن چکی ہے کہ ہمارا میڈیا اس مرض کو ایک مقدس شے کے طور پر پیش کرتا ہے۔ پاکستان میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ویلنٹائن جیسی واہیاتِ تقریبات کو رواج دیا جا رہا ہے۔ اسلام کے نام پر بننے والی اس مملکت میں لادینیت اور جنسی بداعتدالیوں کو کس طرح تیزی سے پروان چڑھایا جا رہا ہے اس کا انداز اس طرح کے حیا باخیز تہواروں سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔

غیر مسلم این۔ جی۔ اوز کے تحت چلنے والے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں باقاعدہ طور پر اس بے ہودہ تہوار کو منایا جاتا ہے۔ یقیناً ان اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے ہمارے ہی بچے، ہماری ہی بیٹیاں اور بہنیں ہوتی ہیں جن کو دنیاوی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ دین سے دور بھی لے جایا جا رہا ہے۔ گلی کوچوں، محلوں، بازاروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لفٹکے نو جوان ان با حیا اور شریف لڑکیوں کو پھول پیش کر کے چھیڑ خانی کرتے رہتے ہیں جو اپنے آپ کو مغربی تہذیب سے محفوظ رکھنا چاہتی ہیں۔

فحاشی اور بے حیائی کے اس تہوار کو ”یومِ محبت“ قرار دیے جانے کے بجائے ”یومِ اواباشی“ قرار دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، اس

لیے کہ اس تہوار کا اصل مقصود مرد اور عورت کے درمیان ناجائز تعلقات کو فروغ دینا اور پھر ان تعلقات کو تقدس عطا کرنا ہے۔ اہل مغرب کی یہ کوشش ہے کہ اسلامی معاشرے میں فحاشی و عریانی کو عام کر کے مغربی ممالک کی طرح یہاں بھی عورت کو متاثر بنا دیا جائے۔ قدیم رومی کلچر کی روایات ہوں یا جدید مغرب کا اسلوبِ جنس پرستی، ان کا ہماری مذہبی تعلیمات تو ایک طرف، مشرقی کلچر سے بھی دور کا واسطہ نہیں ہے۔

مغرب میں ”محبت“ کا تصور مفہوم یکسر مختلف ہے۔ جس جذبے کو وہاں محبت (LOVE) کا نام دیا جاتا ہے، وہ درحقیقت بواہوسی اور خواہش پرستی ہے۔ اس معاشرے میں عشق اور فسق میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔ مرد و زن کی باہمی رضا مندی، ہر طرح کی شہوت رانی اور زنا کاری وہاں ”محبت“ ہی کہلاتی ہے۔ اسی طرح ”ویلنٹائن ڈے“ منانے والوں کی جانب سے ”محبت“ کا لفظ جنسی بے راہ روی کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔ گویا ”حقیقی محبت“ اور ”ویلنٹائن ڈے“ دو متضاد چیزیں ہیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی محبت دین اسلام کا حصہ اور ”ویلنٹائن ڈے“ جنسی بے راہ روی کا دوسرا نام ہے۔

قدیم روم میں اس تہوار کو ”خاوند کے شکار“ کا دن سمجھا جاتا تھا، یعنی عورت خود ہی بازار میں نکلتی اور اپنے ہونے والے شوہر کا خود ہی انتخاب کرتی۔ اسلام اس بے حمیت کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اسلامی معاشرے میں عورت کی شادی کی ذمہ داری اس کے ولی کی ہے۔ ولی کی اجازت کے بغیر عورت کے اس نکاح کو شریعت نے نکاح ہی تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح اسلام میں میاں بیوی کے درمیان محبت کے اظہار پر کوئی بندش نہیں ہے لیکن اس کے لیے ایک ایسے دن کا انتخاب کرنا جو مغرب کی جنس پرست تہذیب کا علامتی اظہار بن چکا ہے، کسی بھی اعتبار سے مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ نہایت افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ہاں نو جوان نسل کو ان خرافات کے مضمرات سے آگاہ نہیں کیا جا رہا۔ انھیں اس بات سے مطلع نہیں کیا جا رہا کہ جس بات کو وہ

اللہ ﷻ سے نہیں بلکہ جنسی بے راہ روی کے علم بردار مسیحی راہب ”ویلنٹائن“ سے ہے۔ صاحب اقتدار طبقے کی اس روش پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔

حکومتِ وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نوجوانوں کو لہو و لعب اور جنسی بے راہ روی سے بچانے کے لیے مؤثر اقدامات کرے۔ ویلنٹائن ڈے کے موقع پر گلاب کے پھول اور کارڈز کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کرے۔ اخبارات کے مالکان کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے کسی قسم کے اشتہارات اور پیغامات شائع نہیں کریں گے۔ ویلنٹائن ڈے اور اس جیسی بے ہودہ سرگرمیاں جو اسلامی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیں، ان کے متعلق حکومت کو خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کرنا چاہیے۔

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے بھی گزارش ہے کہ وہ ہوش کے ناخن لیں۔ نئی نسل کی جنسی آوارگی کی طرف رہنمائی کرنے کے بجائے ان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ انھیں اس بات سے آگاہ کریں کہ جس راہ پر تم چل نکلے ہو اس کے نتائج بہت خطرناک ہیں۔

تعلیمی اداروں کے منتظمین اور اساتذہ کرام کے نام بھی یہ پیغام ہے کہ تعلیم کے حصول کے لیے آنے والے بچے آپ کے پاس امانت ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی بھیجتے ہیں تو ان کا مقصود ان کو اچھی تعلیم دلوانا ہوتا ہے نہ کہ ان کے اخلاق کا جنازہ نکلوانا۔ آپ کا یہ فرض بنتا ہے کہ سکول، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی نئی نسل کی اخلاقی تربیت کریں۔ انھیں حیا باختہ تہواروں کے بارے میں آگاہ کریں کہ ہمارے مذہب اور ہماری معاشرتی اقدار کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سب یورپی تہذیب ہے جو ہمارے صاف ستھرے چہرے کو مسخ کرنا چاہتی ہے۔

(باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ کیجیے)

”محبت“ سمجھ کر منار ہے ہیں، وہ درحقیقت شہوت رانی اور جنسی بے راہ روی کی علامت ہے جس کا ان کی سماجی روایات اور اخلاقی قدروں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

بے حیائی پر مبنی یہ تہوار جس تیزی کے ساتھ پاکستان میں پھیلتا جا رہا ہے وہ بہت تشویش ناک ہے۔ اخباری رپورٹ کے مطابق صرف لاہور کے اندر گزشتہ سال ۱۴ فروری کو کروڑوں روپے کے پھول فروخت ہوئے۔ اس قدر بڑی مقدار میں پھول بوالہوس عشاق کی طرف سے ایک دوسرے کو پیش کرنے کے لیے خریدے گئے۔ اس تمام صورتِ حال کا ذمہ دار پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا ہے۔ کیا ہمارے ذرائع ابلاغ کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ محض خبروں کی سنسنی خیز اشاعت کے ساتھ ساتھ ایسے مسائل میں پاکستانی قوم کی راہنمائی کا فریضہ بھی ادا کریں؟ ہر سال ”ویلنٹائن ڈے“ کے نام سے بے شمار اشتہارات شائع کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح الیکٹرانک میڈیا پر ”ویلنٹائن ڈے“ کے حوالے سے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ اوباش نوجوانوں کی طرف سے شریف لڑکیوں کے نام پیغام نشر کیے جاتے ہیں، اسی طرح کچھ ”روشن خیال“ نوجوان لڑکیاں بھی اپنے عاشقوں کے نام پیغام نشر کرواتی ہیں۔ گویا جس طرح ہمارا میڈیا بے حیائی کے اس کلچر کو فروغ دیتا ہے اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ بے حیائی کے اس پروگرام کو پھیلانے میں مغربی ممالک کی طرف سے میڈیا کو خاص ہدف سونپا گیا ہے۔

بے حیائی کو فروغ دینے میں موبائل فون کمپنیاں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ایسے موقع پر ان کمپنیوں کی طرف سے بھی عجیب و غریب قسم کے ایس۔ ایم۔ ایس بھیجے جاتے ہیں۔ ٹاک میسجز اور کالر ٹونز کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے۔

روزنامہ جنگ لاہور (۱۵ فروری ۲۰۱۲ء) کے مطابق گزشتہ سال سیاست دانوں میں سے بھی اکثریت نے بے غیرتی کے اس کلچر میں پورا پورا حصہ لیا۔ انھوں نے بھی خوب جوش و خروش سے ویلنٹائن ڈے منایا اور اس بات کا ثبوت دیا کہ ہمارا تعلق ”محمد رسول

فضائل اُبی حنیفہ وَاخبارہ و مناقبہ

لابن اُبی العوام

پراک نظر

مولانا ارشاد الحق اثری

امام صاحب کی بعض مسانید:

ابن اُبی العوام کی یہ کتاب ”فضائل اُبی حنیفہ“ دراصل امام صاحب کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے تاہم اس میں ان کی بعض مسانید بھی ہیں۔ علامہ خوارزمی نے ”جامع المسانید“ میں جن مسانید کو جمع کیا ہے ان کا ایک ماخذ ابن اُبی العوام کی اس کتاب میں مروی امام صاحب کی روایات بھی ہیں۔ ہمارے تنبیح کے مطابق یہ کل ۳۲ روایات ہیں جن میں ایک بلاغاً اور باقی بالاسناد مروی ہیں۔

ابن اُبی العوام نے ان کے علاوہ کچھ وہ روایات بھی مسنداً ذکر کی ہیں جو امام صاحب کے واسطے سے مروی نہیں۔ ان کی تعداد تقریباً چھ ہے۔

کتاب کی تحقیق میں گوشخ لطیف الرحمن صاحب نے حسب ذوق محنت کی ہے مگر روایات کی تخریج و تحقیق میں ان کی تحقیق علمی معیار پر پوری نہیں اترتی یا ممکن ہے کہ وہ اس میں کسی مصلحت کا شکار ہوں۔ ہم یہاں بعض روایات اور ان پر ان کی تعلیقات کا حال مختصراً ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

پہلی حدیث:

ابن اُبی العوام نے امام صاحب کی سند کے علاوہ ایک روایت قاضی ابو یوسف کی سند سے بواسطہ محمد بن السائب عن ابی صالح عن ابن عباس ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک بچے کے بارے میں پوچھا گیا جس کا ”قبل“ و ”ذکر“ ہے (یعنی اس کی شرم گاہ عورت و مرد دونوں کی طرح تھی)، اس کی وراثت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((من حیث ینول)) اس کا حکم اس کے پیشاب نکلنے کی

جگہ سے ہے۔ اگر ”قبل“ سے نکلتا ہے تو عورت، اگر ”ذکر“ سے نکلتا ہے تو مرد کے مشابہ شمار ہوگا۔ (فضائل، ص: ۲۳۲، رقم: ۴۹۰)

شیخ لطیف الرحمن نے فرمایا ہے کہ اسے امام بیہقی نے السنن الکبریٰ (۲۶۱/۶) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد بن سائب الکلی ”لا یحتج بہ“۔

بلاشبہ یہاں امام بیہقی نے یہی فرمایا ہے مگر کیا شیخ لطیف الرحمن اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ محمد بن سائب کلبی متہم بالکذب ہے اور اس کا استاد باذام ابوصالح بھی ضعیف اور مدلس ہے، جیسا کہ تقریب (ص: ۲۹۸، ۴۲) میں ہے بلکہ خود کلبی کا کہنا ہے کہ مجھے ابوصالح نے کہا کہ جو میں تمہیں بیان کرتا ہوں جھوٹ ہوتا ہے۔ حافظ عبدالحق نے ”الاحکام“ میں اسے ضعیف کہا تو حافظ ابن القطان نے ان پر تعاقب کیا کہ وہ متروک ہے۔ اور امام ابن حبان نے کہا ہے کہ اس نے حضرت ابن عباس سے سنا نہیں۔ (تہذیب: ۱/۴۱۷)

بلکہ خود امام بیہقی نے دونوں کو متروک اور کذاب کہا ہے۔ ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ: ۱۲۳/۸، ۱۴۰۔

نیز کہا ہے:

”متروک لا یحتج بہ“ (السنن: ۱/۳۰۴)

اور کلبی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ مجھے ابوصالح نے کہا کہ جو میں تمہیں حدیث بیان کرتا ہوں جھوٹ ہوتا ہے۔

(السنن الکبریٰ: ۱/۲۳، ۱۰/۲۹۰)

”المعرفة“ میں امام بیہقی فرماتے ہیں:

”فهذا مما لا یحل الاحتجاج به، والإجماع

علامہ کوثری کی عصبيت:

یادش بخیر! علامہ کوثری نے ایک جگہ بڑے دھڑلے سے فرمایا ہے کہ قاضی ابو یوسف غیر ثقہ راوی سے روایت نہیں کرتے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”ومن البعيد على مثل أبي يوسف في فقهه ودينه ويقظته وإمامته أن يروي عن من هو غير ثقة.“ (النكت الطريفة: ۱/۱۲)

”امام ابو یوسف جیسے کی فقاہت، تدین، ہوشیاری و امامت سے بعید ہے کہ وہ غیر ثقہ سے روایت کریں۔“

اہل علم جانتے ہیں علامہ کوثری اپنے مخصوص نظریات کی تائید میں بڑے سے بڑا دعویٰ کرنے میں بڑے دلیر ہیں اور اپنے موقف کی مخالفت میں کسی بڑے سے بڑے محدث پر بلا وجہ کچڑ اچھالنے پر ید طولیٰ رکھتے ہیں جس کی تفصیل کا نہ یہ محل ہے، نہ ہی یہ ہمارا موضوع ہے۔ یہاں بھی قاضی ابو یوسف کے دفاع میں جو دعویٰ انھوں نے داغ دیا ہے ان کی عصبيت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قاضی ابو یوسف کے متروک اور ضعیف اساتذہ:

۱: ابن ابی العوام کی یہ ”فضائل ابی حنیفہ“ ان کے سامنے ہے اور ”تأنيب“ میں جا بجا اس کے حوالے دیے ہیں۔ اسی کتاب میں قاضی ابو یوسف کے استاد محمد بن سائب کلبی ہیں، قارئین کرام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ قاضی صاحب اپنے تمام تر القابات کے باوصف کلبی سے روایت لیتے ہیں جو ان کے استاد ہیں۔ بتلایئے ان ”القابات“ کے سہارے یہ اصول کہاں تک درست ہے کہ وہ غیر ثقہ سے روایت نہیں لیتے۔

۲: بلکہ قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار بھی علامہ کوثری کے پیش نظر ہے جس میں وہ روح بن مسافر سے روایت کرتے ہیں۔

(الآثار، ص: ۱۹۳، رقم: ۸۷۵)

اس کے بارے میں امام تہجدی بن معین نے ”لا یکتب حدیثہ، لیس بشقة، ضعیف“ کہا ہے۔ امام ابوداؤد، امام احمد اور

علی ترک الاعتماد علی روایۃ الکلبی والعزرمی.“ (المعرفة: ۵۰۵/۷)

”اس سے استدلال حلال نہیں کیونکہ کلبی اور عزرمی کی روایت پر بالاجماع ترک اعتماد ہے۔“

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”أبوصالح هذا والکلبی ومحمد بن مروان متروک عند أهل العلم بالحديث، لا یحتجون بشيء من روایاتهم لكثرة المناکیر فیها وظهور الکذب منهم فی روایاتهم.“

(الأسماء والصفات: ۱۵۶/۲)

”یہ ابوصالح اور کلبی اور محمد بن مروان محدثین کے نزدیک متروک ہیں۔ وہ ان کی روایات میں کثرت مناکیر اور کذب ظاہر ہونے کی وجہ سے احتجاج نہیں کرتے۔“

اسی صفحے پر انھوں نے مزید جرح بھی ذکر کی ہے اور امام حبیب بن ابی ثابت سے نقل کیا ہے کہ ہم ابوصالح کا نام ”دروغ زن“ یعنی کذاب رکھتے تھے۔

امام بیہقی نے ”السنن“ میں تو صرف محمد بن سائب کلبی کے بارے میں ”لا یحتج بہ“ کہا ہے جب کہ المعرفة (۵/۷۷، رقم: ۳۸۹۴) میں کلبی اور ابوصالح دونوں کو ”لا یحتج بہ“ کہا ہے۔ امام بیہقی کے اس کلام سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ”لا یحتج بہ“ کو جو عموماً پانچویں مرتبے کی جرح شمار کیا گیا ہے، امام بیہقی اس کا اطلاق متروک و کذاب پر بھی کرتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ جرح تیسرے مرتبے کی ہے۔ ”لا یحتج“ کے ساتھ ”متروک“ کا ذکر کرنا اس کا واضح قرینہ ہے جیسا کہ السنن الکبریٰ (۸/۳۰۴) میں ہے۔

ہماری اس وضاحت سے شیخ لطیف الرحمن کی اس تعلیق کا ادھورا پن نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ روایت امام بیہقی نے المعرفة (۵/۷۷) اور امام ابن عدی نے الکامل (۲۱۳۱) میں بھی ذکر کی ہے۔

کردی)۔ مگر جب صحت بحال ہوگئی تو پھر انہی روایات کو براہ راست قتادہ سے روایت کرنے لگا۔ اس کے بعد امام عبدالرحمن بن مہدی نے اسے چھوڑ دیا اور لوگوں کو اس واقعے سے مطلع کر دیا۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: جھوٹ بولنے اور حدیث گھڑنے میں وہ معروف تھا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے: سب نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے، مجھے معلوم نہیں کسی نے اس کی توثیق کی ہو۔ (میزان: ۲۵۱/۳، لسان: ۱۵۳/۶)

مگر افسوس کہ علامہ کوثری کے نزدیک قاضی ابویوسف نے کسی ضعیف سے روایت نہیں کی! یہی نہیں بلکہ کتاب الآثار میں ابان بن ابی عیاش، عطاء بن عجلان، غالب بن عبد اللہ جزری، ابوبکر الہذلی جیسے متروکین اور منہال بن خلیفہ، اسماعیل بن مسلم، لیث بن ابی سلیم، سعید بن مرزبان جیسے ضعفاء سے بھی قاضی ابویوسف روایت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب الآثار (ص: ۷۴، ۸۷، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۶، ۱۶۷) یہ صرف کتاب الآثار کے ضعیف اور متروک راوی ہیں۔ باقی کتب کے راوی اس پر مستزاد ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن عدی نے کہا ہے:

”إنه يروي عن الضعفاء الكثير مثل الحسن

بن عماره وغيره.“ (لسان: ۳۰۱/۶)

”وہ حسن بن عمارہ وغیرہ جیسے بہت سے ضعفاء سے روایت کرتے ہیں۔“

اس کے برعکس نہ امام ابویوسف نے فرمایا ہے کہ میں ثقات سے ہی روایت لوں گا نہ متقدمین میں سے کسی نے صراحت کی ہے وہ ثقات سے ہی روایت کرتے ہیں۔ ان حقائق کے برعکس یہ کیونکر باور کر لیا جائے کہ وہ ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ یہ خوش اعتقادی میں حنفی اصول تو ہو سکتا ہے محدثین کا یہ اصول قطعاً نہیں۔

دوسری حدیث:

ابن ابی العوام نے اپنی سند سے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت بواسطہ ”الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ“ بیان کی ہے جس

جو زحانی نے اسے متروک کہا ہے۔ ابوحاتم نے ”ضعیف، لا یکتب حدیثہ“ کہا۔ امام ابن مبارک نے اسے ترک کر دیا تھا۔ امام نسائی اور ساجی نے ”لیس بثقة ولا مأمون“ کہا۔ امام حاکم اور النقیاش نے کہا ہے: وہ امام اعمش سے موضوعات روایت کرتا ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے: ثقہ راویوں کے نام سے موضوعات بیان کرتا ہے، اس سے روایت لینا حلال نہیں۔ انھوں نے اس کی ایک موضوع حدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔ جیسے علامہ ابن طاہر نے تذکرۃ الموضوعات (رقم: ۲۶۷) میں، علامہ ابن جوزی نے بھی الموضوعات (۲۲۱/۳) میں، علامہ سیوطی نے اللآلیء (۱۹۹/۲) میں اور علامہ ابن عراق نے تنزیہ الشریعہ (۲۲۱/۲) میں ذکر کیا ہے۔ مزید دیکھیے میزان (۶۱/۲)، لسان (۲/۲۶۷)، مجروحین (۲۹۹/۱) وغیرہ۔

۳: نصر بن طریف ابویزید بھی قاضی ابویوسف کے استاد ہیں اور الآثار (ص: ۱۵۱، رقم: ۶۹۷) میں قاضی صاحب نے اس سے روایت لی ہے۔ اسی نصر کے بارے میں امام ابن مبارک فرماتے ہیں: وہ ثابت نہ تھا، انھوں نے اس کی حدیث ترک کر دی تھی۔ امام احمد فرماتے ہیں: ”لا یکتب حدیثہ“ امام نسائی امام ابوحاتم نے اسے متروک کہا۔ امام نسائی نے ”لیس بشیء ولا یکتب حدیثہ“ بھی کہا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں: اس کے ضعف پر اجماع ہے۔ امام دارقطنی نے کہا کہ عدی بن فضل متروک ہے مگر نصر بن طریف کا حال اس سے بھی بُرا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا ہے: ”سکتوا عنه.“ بیمار ہوا تو اس نے امام عبدالرحمن بن مہدی کو بلایا اور کہا کہ فلاں فلاں حدیث آپ نے مجھ سے کس طرح لکھی ہے؟ انھوں نے فرمایا: تم نے مجھے وہ قتادہ سے بیان کی ہیں۔ کہنے لگا: انھیں بواسطہ سعید بن قتادہ کر دیجیے۔ ابن مہدی فرماتے ہیں: یوں اس نے گیارہ احادیث لکھوائیں جو میں نے اس سے قتادہ سے لکھی تھیں جنھیں اب وہ اپنے اور قتادہ کے درمیان ایک راوی کے واسطے سے بیان کر رہا تھا۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے، آپ نے بہت اچھا کیا (جو وضاحت

کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مسند الامام لابی نعیم، رقم: ۲۳، ۷۱، ص: ۱۸۸، ۲۳۰۔

جب کہ ابو قرة موسیٰ بن طارق، عبدالعزیز بن خالد، سعید بن صلت اور محمد بن مسروق اسے امام صاحب سے بغیر واسطہ ابوالعطوف بیان کرتے ہیں۔ کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہ کا واسطہ گرا ہوا ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت مولانا ابوالوفاء نے حاشیے میں کر دی ہے۔ بلکہ ابو محمد عبداللہ حارثی نے کہا ہے:

”ربما أدخل بينه وبين الزهري رجلا آخر وربما ذكر الجراح بن منهال.“ (جامع المسانيد: ۱/ ۳۵۹، مسند الحارثي: ۱/ ۲۲۶)

”بسا اوقات امام صاحب اپنے اور امام زہری کے درمیان ایک اور راوی کا اضافہ کرتے ہیں اور کبھی جراح بن منهال کا ذکر کرتے ہیں۔“

بلکہ ابو قرة موسیٰ بن طارق جب اسے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے: ”سمعت أبا حنيفة يذكر عن الزهري“ ”میں نے ابو حنیفہ سے سنا وہ اسے زہری سے ذکر کرتے تھے۔“ (مسند الحارثي: ۱/ ۲۲۹، فضائل ابن أبي عوام، ص: ۱۹۱، مسند الإمام لأبي نعیم: ۱۹۱/ ۱۸۸، ۲۱، ۲۶، مسند ابن خسرو: ۲/ ۸۱۸، جامع المسانيد: ۱/ ۳۵۹)

اور یہ صورت اتصال کی نہیں انقطاع کی ہوتی ہے۔ بلکہ امام ابو نعیم نے کہا ہے: ”ويختلف في لقائه مع الزهري“ ”امام صاحب کی امام زہری سے ملاقات میں اختلاف ہے۔“

(مسند الإمام لأبي نعیم، ص: ۱۹۱)

ممکن ہے کہ امام صاحب کی امام زہری سے اس روایت میں اختلاف کے تناظر میں امام ابو نعیم نے دونوں کے مابین ملاقات کو مختلف فیہ قرار دیا ہو۔ واللہ اعلم

اس کے علاوہ مسند حارثی میں محمد بن مسروق کی روایت میں امام صاحب نے اسے موقف بیان کیا۔ ”ولم يرفعه“ کے صاف لفظ

کے الفاظ ہیں: ((ما كلکم یجد ثوبین .))

شیخ لطیف الرحمن صاحب نے اس کی تحقیق میں فرمایا ہے کہ مسند حمیدی، مسند احمد، ابن ماجہ وغیرہ میں یہ بواسطہ سفیان بن عیینہ عن الزہری مروی ہے۔ مگر افسوس کہ نہ تو انھوں نے ابن ابی عوام کی سند کی کوئی حقیقت بیان کی نہ ہی یہ ذکر کیا کہ امام ابو حنیفہ سے یہ روایت کہاں ہے اور کیسی ہے۔

علامہ خوارزمی نے جامع المسانيد (۱/ ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰) میں یہ روایت مسند قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی، مسند حافظ طلحہ، مسند ابن خسرو، مسند الحارثی، مسند محمد بن مظفر کے حوالے سے نقل کی ہے مگر ابن ابی عوام کے حوالے سے یہ روایت ذکر نہیں کی۔ پھر اس کی سند میں محمد بن ولید بن بحر اور اس کا استاد عبداللہ بن محمد دونوں مجہول ہیں۔ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے:

”محمد بن ولید بن بحر المنکثی روی عن عبد الله بن محمد التباعی حدیثا منکرا حدث به محمد بن سعید القاضي، قال الدارقطني في كل منهم: مجهول والخبر لا يثبت.“ (لسان: ۵/ ۴۱۹)

حافظ ابن حجر نے یہی بات عبداللہ بن محمد التباعی کے ترجمے میں نقل کی ہے اور اُس روایت کو بھی ذکر کیا ہے جو مؤذن کی فضیلت کے بارے میں ہے۔ ملاحظہ ہو لسان (۳/ ۳۵۲، ۱۳۰) ترجمہ سوید بن عبداللہ۔ آخر ابن ابی عوام کی سند سے شیخ لطیف الرحمن کا اغماض چہ معنی دارد؟

پھر امام ابو حنیفہ سے اس روایت میں اختلاف ہے۔ قاضی ابویوسف اور یحییٰ بن نصر بن حاجب امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ کی روایت مرسلہ ہے جب کہ ابویوسف اسے امام صاحب سے بواسطہ ابوالعطوف جراح بن منهال عن الزہری متصل روایت کرتے ہیں۔ (کتاب الآثار، رقم: ۱۶۲، جامع المسانيد: ۱/ ۳۵۸، ۳۶۰)

بلکہ امام زفر بھی امام صاحب سے بواسطہ جراح بن منهال روایت

یسم .

”اسے امام احمد نے روایت کیا اور اس میں ضعف ہے۔ اس کے ضعف کے ساتھ اس کا نام نہیں لیا۔“

(حاشیہ مسند الحارثی: ۶۱۶/۳)

ہمیں معلوم ہے کہ شیخ لطیف الرحمن پر امام صاحب کے بارے میں علامہ پیشی کا تبصرہ گراں گزرتا ہے۔ مگر مسند حارثی کے محولہ بالا حوالے میں ان کی خاموشی معنی خیز ہے کیونکہ حضرت موصوف علامہ پیشی کے بارے میں دیگر مقامات پر فرماتے ہیں:

”أسلوبه يدل على أنه يقصد به الإمام أبا حنیفہ ، فلو كان هذا فهو مما يطعن به .“

”علامہ پیشی کا اسلوب بتلاتا ہے کہ وہ اس سے امام ابوحنیفہ مراد لیتے ہیں۔ اگر یہ اسی طرح ہے تو وہ خود اس وجہ سے قابل طعن ہیں۔“

ملاحظہ ہو مسند الحارثی (۱۸۲/۱)، فضائل (ص: ۲۲۱)۔ مگر اوپر مسند امام احمد کی روایت پر علامہ پیشی کے تبصرے پر خاموشی اس بات کی غماز ہے کہ اگر یہ قابل طعن ہے تو امام احمد کا نام نہ لینا چہ معنی دار؟ شاید اسی مصلحت کی بنا پر وہ یہاں علامہ پیشی کے تبصرے پر خاموش ہیں۔
چوتھی حدیث:

ابن ابی عوام نے اپنی سند سے امام صاحب کی ایک حدیث ”علی بن الأقرع عن أبيه“ سے ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:
(إن الله تبارك وتعالى لم يترك داء إلا أنزل له شفاء فعليكم باللبان البقر .)

(فضائل، ص: ۲۴۱، رقم: ۵۰۴)

شیخ لطیف الرحمن صاحب اس روایت کے بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ یہ روایت امام صاحب کی مسانید میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے بلکہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ کرام سے کتب احادیث میں موجود ہے۔ مگر جس سند سے ابن ابی عوام نے یہ روایت ذکر کی ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے:

ہیں۔ مگر ابن خسرو نے اسے بواسطہ محمد بن مسروق عن ابی حنیفہ مرفوعاً بیان کیا ہے۔ بلاشبہ امام زہری سے یہ روایت موقوفاً بھی حضرت ابو ہریرہ سے موطاً وغیرہ میں ہے مگر اس کے یہ الفاظ قطعاً نہیں۔ امام صاحب کی روایت میں اس اختلاف سے شیخ لطیف الرحمن صاحب کا صرف نظر بھی ان کی غفلت اور اصل بحث سے گریز کا نتیجہ ہے۔

تیسری حدیث:

ابن ابی العوام نے امام صاحب سے بواسطہ ”علقمة بن مرثد عن سليمان بن بريدة عن أبيه“ ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

((الدال على الخير كفاعله .))

(فضائل، ص: ۲۰۷، رقم: ۴۰۲)

قارئین کرام یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ شیخ لطیف الرحمن صاحب نے اس سند کے بارے میں تو بالکل چپ سادھ لی مگر شواہد کے طور پر اس روایت کا حضرت ابو مسعود انصاری، انس، سہل بن سعد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے ذکر کرنے میں بڑی طول بیانی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ بتلائے کتاب کی تحقیق کا یہی تقاضا ہوتا ہے؟

حالانکہ مسند امام حارثی، جو ”فضائل“ سے ایک سال پہلے شائع ہوئی، اس میں یہ روایت موجود ہے اور اس کی تخریج بھی مسند امام احمد وغیرہ سے کی گئی ہے اور مسند امام احمد (۳۵۷/۵) سے نقل کیا ہے کہ امام عبداللہ بن احمد نے فرمایا کہ امام احمد نے ”اخبرنا ابو فلانة“ کہا ہے اور فرمایا:

”كذا قال أبي ، لم يسمه على عمد وحدثنا

غيره فسماه يعني أبا حنیفہ .“

”میرے والد نے قصداً نام نہیں لیا، ”ابو فلانة“ کہا۔ ان کے علاوہ دوسروں نے ہمیں یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے اس کا نام ابوحنیفہ لیا۔“

بلکہ ساتھ علامہ پیشی سے یہ بھی نقل کیا:

”رواه أحمد وفيه ضعف ومع ضعفه لم

”یروی حدیث واہ عن علی بن الاقمر عن ابيه .“ (تجرید أسماء الصحابة، ص: ۲۶)

”ایک واپی حدیث علی بن اقرع بن ابیہ سے بیان کی جاتی ہے۔“

جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ عبد العظیم متروک اور اس کی حدیث ناقابل اعتبار ہے۔ امام ابن حبان نے اگرچہ اسے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر اس سے عبد العظیم کی توثیق ثابت نہیں ہو جاتی۔ انھوں نے تو عمرو بن زیاد الباہلی، حامد بن آدم مروزی، عبد الوہاب بن ہشام، حجاج بن تیم اور حجاج بن فروخ جیسے کذابین و ضعفاء کو بھی ثقات میں ذکر کر دیا ہے تو کیا انھیں بھی قابل اعتبار سمجھ لیا جائے؟

شیخ لطیف الرحمن صاحب اس حقیقت سے خبر نہیں، انھوں نے عبد العظیم کے ترجمے کے لیے ”الثقات“ اور ”اللسان“ کا اشارہ تو کر دیا ہے مگر اس کی نوعیت بیان کرنے کی بجائے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی ہے۔

پانچویں حدیث:

ابن ابی العوام نے امام صاحب کی ایک حدیث ”الزہری عن انس“ سے ذکر کر کے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

(فضائل، ص: ۲۴۱، رقم: ۵۰۳)

شیخ لطیف الرحمن صاحب نے اس کے بارے میں بھی خاموشی میں عافیت سمجھی ہے، البتہ یہ ذکر فرمایا ہے کہ طحاوی وغیرہ میں یہ زہری عن سالم عن ابن عمر سے روایت ہے اور فلاں فلاں صحابی سے اس کے شواہد ہیں۔

جب کہ ابن ابی العوام کی روایت میں امام صاحب سے روایت کرنے والے صباح بن محارب ہیں۔ اور صباح کی روایت جامع المسانید (۸۷/۲) میں ابو محمد البخاری الاستاد، حافظ طلحہ بن محمد کی مسانید کے حوالے سے منقول ہے بلکہ المسند لابن خسر (رقم: ۱۰۷۴، ۱۰۷۵) میں اور المسند لابن نعیم (رقم: ۳۰) میں بھی موجود ہے۔ اور امام ابو نعیم نے کہا ہے:

”تفرد به الصباح عن أبي حنيفة وأخطأ فيه .“

یہ روایت امام صاحب سے عبد العظیم بن حبیب الفہری بیان کرتے ہیں جو قابل اعتماد نہیں ہیں۔ یہی وہ ”بزرگ“ ہیں جنھوں نے ایک اور حدیث امام صاحب سے اسی سند سے بیان کی ہے:

((المطعون شهيد والنفساء شهيد والغريب شهيد ومن مات يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله فهو شهيد .))

اس روایت کو حافظ ذہبی نے اس کی ”بلايا“ میں سے شمار کیا ہے۔ اسی بنا پر علامہ حلبی نے اسے وضاعین میں شمار کیا ہے اور ”الكشف الحثيث عن رمي بوضع الحديث“ (رقم: ۴۴۹) میں ذکر کیا ہے۔ شیخ ابونعدہ نے کہا ہے کہ ”بلايا“ کا اطلاق موضوعات و اکاذیب پر ہوتا ہے۔

(حاشیة الرفع والتكميل، ص: ۱۷۱)

امام دارقطنی نے اس کے بارے میں ”لیس بثقة“ کہا ہے، ان کا مکمل کلام یوں ہے:

”لیس بثقة كثير الغلط .“

(العلل للدارقطني: ۲۴۱ / ۹)

امام دارقطنی نے ”لم یکن بالقوي“ بھی کہا ہے۔ ابن حبان نے گوشتات میں ذکر کیا ہے مگر ساتھ ”ربما خالف“ بھی کہا ہے۔

(میزان: ۶۳۹ / ۲، المغني: ۴۰۰ / ۲، لسان: ۴۰ / ۴)

بلکہ امام ابن شاپین نے ”الاقمر“ کا صحابی ہونا ہی مشکوک قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”إن صحح أنه صحابي وإلا فالحدیث

مرسل .“ (الإصابة: ۲۱۴ / ۱)

”اگر صحیح ہے کہ وہ صحابی ہیں (تو فہما) ورنہ یہ حدیث مرسل ہے۔“

خود حافظ ابن حجر نے اسے متروک کہا ہے۔

(تبصير المنتبه: ۶۰۸ / ۲)

علامہ ذہبی نے الاقمر کے ترجمے میں فرمایا ہے:

صبح بلاشبہ ثقہ وصدوق ہیں مگر امام ابو نعیم کا غالباً اشارہ یہ ہے کہ صبح نے جو امام صاحب سے اسے بواسطہ زہری حضرت انس سے روایت کیا ہے اس میں صبح سے خطا ہوئی ہے۔ کیونکہ امام صاحب سے یہ روایت بواسطہ الزہری عن محمد بن عبید اللہ عن سبرہ ہے، جیسا کہ محمد بن حسن، حسن بن زیاد، زیاد بن حسن، قاسم بن حکم، ایوب بن ہانی، اسحاق اور صلت بن الحجاج امام صاحب سے روایت کرتے۔ اکیلے صبح ان سے بواسطہ ”زہری عن انس“ بیان کرتے ہیں۔

اور جامع المسانید (۸۷/۲) میں جو اسی روایت میں محمد بن حسن کو صبح بن محارب کا متابع ظاہر کیا گیا ہے وہ سنداً قطعاً قابل اعتبار نہیں۔ محمد بن حسن کی روایت میں یہ امام صاحب سے بواسطہ محمد بن عبید اللہ ہے، جیسا کہ کتاب الآثار (ص: ۹۳) وغیرہ میں ہے۔ ”جامع المسانید“ میں قاضی محمد بن عبد الباقی کی مسند سے جو سند ہے اس میں احمد بن عبد اللہ الجلاح سخت ضعیف ہے۔ جامع المسانید میں ”أحمد بن عبد اللہ بن الثلاثی عن علی بن معبد عن محمد بن الحسن عن أبي حنيفة“ ہے مگر صحیح احمد بن عبد اللہ الجلاح ہے۔ اسی کے ترجمے میں اسی سند سے ”أبو حنيفة عن الهيثم الصيرفي عن عكرمة عن ابن عباس“ ایک حدیث ثمن کلب العید کے بارے میں ہے جو مسند حارثی اور مسند ابن خرو وغیرہ کے حوالے سے جامع المسانید (۱۱، ۱۰/۲) کی بھی زینت ہے۔

امام عبدالحق نے کہا ہے: یہ حدیث باطل ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ یہ باطل روایات امام ابو حنیفہ سے روایت کرتا ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا: لہ منا کبر بواطیل۔ امام دارقطنی نے بھی ضعیف کہا ہے۔ (میزان: ۱۰۰/۱، ۱۰۰/۱، ۱۹۹/۱، الکامل: ۱۹۷/۱)

امام ابو زرعة نے اس کی بُری تعریف کی۔ الضعفاء لأبي زرعة (۷۲۲/۲)

علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

”وقال ابن القطان: اللجلاج لم تثبت عدالته، وقد حدث بأحاديث كثيرة لأبي حنيفة كلها

مناكير لا تعرف“۔ (نصب الراية: ۵۴/۴)
”اور ابن قطان نے کہا ہے: للجلاج کی عدالت ثابت نہیں، اس نے ابو حنیفہ کی بہت سی احادیث بیان کی ہیں جو سب کی سب منکر غیر معروف ہیں۔“
حافظ ابن قطان کا مفصل کلام بیان الوهم والإيهام (۳/۵۱۲، رقم: ۱۲۸۹) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

علامہ ابن عراق نے تنزیہ الشریعہ (ص: ۲۸) میں اسے کذابین ووضاعین میں شمار کیا ہے۔ بتلائیے ایسے کذاب اور باطل و موضوع روایات روایت کرنے والی کی روایت متابعت و شواہد میں پیش ہو سکتی ہے؟

کتاب میں اس قسم کی روایات سے خاموشی شیخ لطیف الرحمن کی ”خدمت“ ہے یا پردہ داری کا نتیجہ ہے۔ اکثر و بیشتر نہ تو امام صاحب کی مرویات کی پہلی مذکورہ اسانید سے تعرض کرتے ہیں اور نہ اس مسند سے مروی روایت پر توجہ دیتے ہیں، البتہ اس کے شواہد ذکر کرنے میں تغافل نہیں برتتے۔

ہماری ان گزارشات سے ابن ابی العوام کی اس کتاب کی اور اس کے محقق کی خدمت گزاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں فضیلۃ الشیخ الاخ العلامہ محمد عزیر شمس اللہ کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے یہ کتاب بھجوائی اور اس سے استفادے کی سبیل پیدا فرمائی۔ جزاءہ اللہ أحسن الجزاء۔

بلکہ کتاب ارسال کرتے ہوئے ساتھ ”برائے تبصرہ“ بھی لکھ دیا۔ ان کے حکم کی تکمیل سے بھلا اللہ آج یہ بیچ مدان فارغ ہوا ہے۔

یہ تبصرہ کیا ہے اور جو رائے ہم نے اس کتاب اور اس کے محقق کے حوالے سے ذکر کی ہے وہ کس حد تک درست ہے یا اس میں کیا کوتاہی ہے اس کا فیصلہ قارئین پر ہے۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطائیں معاف فرمائے، آمین۔

اسلامی نظام معیشت کی خصوصیات

(مولانا) حافظ عبدالحمد ازہر رحمہ اللہ، مکتب الدعوة، اسلام آباد

کیا کہ اپنا مرتبہ اور مقصد فراموش کر بیٹھا۔ نتیجہ وہی ہوا جو ذریعے کو مقصد بنانے کا ہوتا ہے۔

انسان صرف پیٹ کا نام نہیں ہے، اس میں دل و دماغ بھی ہے اور اس کے دیگر اعضاء بھی ہیں۔ اگر کوئی شخص دل و دماغ کی بجائے پیٹ سے سوچنا شروع کر دے تو اس کی جو کیفیت ہو سکتی ہے وہ نظام معیشت کو مرکز و محور بنانے سے پوری انسانیت کی ہو چکی ہے۔ ایک بھوکے کو اجرام فلکی بھی روئیاں نظر آ سکتی ہیں لیکن اس سے نظام شمسی میں خلل آ سکتا ہے اور نہ علم الفلکیات کی اہمیت کم ہو سکتی ہے۔ انسان تنگ نظر اور جذباتی مخلوق ہے۔ اس لیے اس کی سب سے بڑی غلطی ہے کہ مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنے اور اس کائنات کے خالق سے رجوع کرنے کی بجائے خود ہی ان کا حل کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ عام زندگی میں (Self Medication) خطرناک ہے تو اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات کس قدر مہلک ہو سکتے ہیں۔ دنیا کی موجودہ صورت حال بہ ذات خود اس کا ثبوت ہے۔ ایسی صورت میں ایک انسان کو اس سے اچھا مشورہ نہیں دیا جاسکتا کہ۔

دست ہر نا اہل بیمار کند

سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

انسانیت پر اس سے بڑا احسان نہیں ہو سکتا کہ انسانی معاشرے کو اجتماعی طور پر اپنے اور اس سارے جہان کے خالق و مالک کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی جائے۔ انبیاء علیہم السلام اسی لیے انسانیت کے محسن ہیں اور پیغمبر آخروا عظیم ﷺ انسانیت کے محسن اعظم ہیں، علیہ افضل الصلوٰت و ازکی التسلیمات۔

وہ بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں:

عصر حاضر کو ترقی کا دور کہا جاتا ہے اور کچھ غلط بھی نہیں۔ سائنسی انکشافات کا سلسلہ بلا توقف جاری ہے۔ ایجادات کا سیل رواں ہے کہ تھمنے میں نہیں آتا۔ وسائل سفر سے لے کر ذرائع ابلاغ تک میں انقلاب آچکا ہے۔ زمین اپنے خزانے اُگل رہی ہے یا اس سے اگلائے جارہے ہیں۔ اناج، سبزیاں، پھل اور میوے اس قدر بہتات سے ہیں کہ انباروں میں سمانہیں سکتے، ذخیرہ کرنے پڑتے ہیں۔

لیکن ہر چیز کی فراوانی کے پہلو بہ پہلو انسانی محرومی کی بھی کوئی حد نہیں۔ آدمیت سسک رہی ہے، جذبات سلگ رہے ہیں۔ غریب غربت کے بوجھ تلے دب رہا ہے اور سرمایہ دار بے مقصدیت کے عذاب و اذیت سے گزر رہا ہے۔ یہ نہیں کہ حالت میں تبدیلی کی کوشش نہیں ہوئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ احساسات اور جذبات نے کئی مرتبہ طوفان کی شکل اختیار کی لیکن صورت حال کچھ یوں ہی رہی۔

سو بار تیرا دامن ہاتھوں میں مرے آیا

جب آنکھ کھلی دیکھا تو اپنا ہی گریباں تھا

رومن ایمپائر، دور غلامی، جاگیر داری اور پھر آخر میں نظام سرمایہ داری کا تماشا اور پھر اشتراکی کوچہ گردوں کی آشفٹہ سری، تمام کی تمام شکست آرزو کے عنوانات ہیں۔ ان تمام کوششوں کے باوجود یہی نہیں کہ حالت نہیں بدلی بلکہ کیفیت کچھ یوں رہی کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

حقیقت یہ ہے کہ تمام نظامہائے معیشت الگ الگ اور متضاد ناموں کے حامل ہونے کے باوجود اصل میں سارے ایک ہیں، ایک ہی تصویر کے مختلف رخ اور زاویے ہیں اور نام اس خود رائی ہے۔ انسان نے معیشت کو اس کے اصل مقام و مرتبے سے بڑھا کر ایسا غلو

﴿فَإَيْنَ تَذْهَبُونَ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝﴾

[التکویر: ۲۶، ۲۷]

”لوگو! تم کدھر جا رہے ہو۔ یہ (قرآن) جہان بھر کے لوگوں کے لیے نصیحت ہی تو ہے۔“

قرآن حکیم نے نہ صرف مرض کی تشخیص فرمائی بلکہ اس کے علاج کے لیے نسخہ کیا بھی عطا کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنُونَ ۝ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۝ فَكُلُوا مِنْهَا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَلًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لِنِعْمَتِهِ تَعْبُدُونَ ۝﴾ [النحل: ۱۱۲-۱۱۴]

”اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو (ہر طرح) امن و اطمینان سے تھی، ہر طرف سے رزق با فراغت وہاں چلا آتا تھا مگر اس کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کی پاداش میں ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔ اور ان کے پاس انھی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انھوں نے اس کو جھٹلایا، سوان کو عذاب نے آ پکڑا جب کہ وہ ظالم تھے۔ پس اللہ نے تم کو جو حلال طیب رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ، اگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔“

یعنی اشیاء کی فراوانی اور نعمتوں کی ارزانی پر معمم حقیقی اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفر کرنا موجب ہے ان نعمتوں کے چھن جانے کا۔ اللہ کی ناشکری کا مظہر یہ ہے کہ اس کی طرف سے بھیجے گئے رسول پر ایمان لانے، ان کی تکریم کرنے اور اطاعت کا دم بھرنے کی بجائے تکذیب و استہزاء کا راستہ اختیار کر لیا جائے۔ اس عذاب سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ کا حلال کیا ہو رزق کھاؤ اور اس

کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ اور صرف اسی کی عبادت کرو کہ مالک الملک اور عزیز مقتدر ہے، اس کی اطاعت کرو گے تو آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے تم پر کھول دے گا:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝﴾ [الأعراف: ۹۶]

”اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور ہماری نافرمانی سے بچتے تو ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے تو تکذیب کی، سوان کے اعمال کی پاداش میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔“

جب کسی بستی سے نعمتیں چھین لینا چاہے تو بہ ظاہر ان کی معیشت کتنی ہی مضبوط ہو سزا کا قانون الہی ان پر نافذ ہو کر رہتا ہے۔

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تَسْكُنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝﴾ [القصص: ۵۸]

”اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی معیشت (کی فراخی) پر اترارہے تھے، سو یہ ان کے محلات ہیں جو ان کے بعد کم ہی آباد ہوئے اور ان کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔“

اس لیے انسانیت کی فلاح دین حنیف دین اسلام کے دامن میں پناہ لینے میں ہے۔ جب وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوں گے تو اس کے نظام اقتصادیات کی برکات سے بھی بہرہ مند اور مستفید ہوں گے، اس لیے کہ اسلام کا نظام معیشت اسلام سے الگ کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اسی شجرہ طیبہ کی ایک سرسبز و ثمر بار شاخ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ

انبیاء علیہم السلام اس کی دعوت دیتے رہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [آل عمران: ۱۹]

”دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“

لیکن براہینِ دینیت سے آنکھیں موندنے والے نت نئے عقیدے بناتے اور نظام تراشتے رہے۔ اپنے علم یا علوم کے غرلے میں مختلف انسانی گروہ، انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور نصیحت کو ٹھکراتے رہے اور اس کے نتیجے میں عذاب پر عذاب چکھتے رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَأَثَرًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ [غافر: ۸۲، ۸۳]

”کیا ان لوگوں نے زمین پھر کر دیکھا نہیں کہ انھیں نظر آتا کہ جو لوگ ان سے پہلے اس راستے پر تھے ان کا انجام کیسا ہوا حالانکہ وہ ان سے تعداد میں زیادہ اور طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط تھے اور زمین میں نشانات بنانے میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے تو جو کچھ وہ کرتے رہے ان کے کسی کام نہیں آیا۔ اور جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں اور واضح دلائل لے کر آئے تو وہ اس علم پر اترنے لگے جو ان کے پاس تھا، نتیجہ جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔“

مثال کے طور پر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے مالی معاملات میں ان کی حکیمانہ نصیحت کو ”مداخلت بے جا“ قرار دے کر اس پر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْيَٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَوْمَ اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْكَيْسَالَ وَ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ [إبراهيم: ۲۵، ۲۶]

”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال کیسی بیان فرمائی ہے، وہ ایسے ہے کہ جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط، یعنی زمین کو پکڑے ہوئے ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔“

اور یہ اسلام کے تعلیم کردہ راسخ عقائد، قرآن حکیم اور جناب رسول کریم ﷺ کی مقرر کردہ اور تعلیم فرمودہ حکیمانہ عبادات اور عظیم ترین اور کامل ترین نظامِ اخلاق کی سر زمین میں اگلنے والا شجر طیبہ ہے۔ اور خون میں پیوست شاخ ہے جو ہر طرف سے اور ہر طرح سے محفوظ ہے۔ موسموں کے تغیرات اور افراد کی تلون مزاجی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

اس اعتبار سے اسلامی نظامِ معیشت کی بنیادی اور اولین خصوصیت تو یہی ہے کہ یہ نظام ربانی ہے جب کہ اس کے مقابلے میں باقی تمام نظامِ مہائے معیشت (اگر ان کو نظام کہا جاسکے) تو انسانی بلکہ محض شیطانی ہیں۔ اس لیے کہ بندہ جب رحمان کا نہیں ہوتا تو شیطان کا ہوتا ہے۔ تیسرا اختیار (Third option) یہاں پر سرے سے موجود نہیں:

﴿إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾

[فاطر: ۶]

”وہ اپنے گروہ (کے لوگوں) کو پکارتا ہے تا کہ وہ دوزخ میں جانے والے بن جائیں۔“

﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ إِلَّا إِنْ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْغَاسِقُونَ﴾ [المجادلة: ۱۹]

”شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور انھیں اللہ کی یاد بھلا دی ہے، یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں اور آگاہ رہو شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔“

اسلام اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ اور پسند فرمودہ نظامِ حیات ہے۔ تمام

الْمِيزَانَ إِنِّي أَرِيكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ ۝ وَيَقُومُ أَوْفُوا الْمِيزَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝ قَالُوا يُشْعِبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرَكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْعَلِيمُ الرَّشِيدُ ۝ [هود: ۸۴-۸۷]

”اور اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو مبعوث کیا۔ انھوں نے (اپنی قوم سے) کہا: اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ تول میں کمی نہ کیا کرو، میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر لے گا۔ اور اے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔ اللہ کا دیا ہوا منافع تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم یقین کر لو اور میں تم پر نگران نہیں۔ انھوں نے کہا: شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں یا ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا چھوڑ دیں، تم تو بڑے نرم خو اور راست باز ہو۔“

تا آنکہ پیغمبر آخروا عظم حضرت محمد ﷺ اسلام کی کامل ترین اور واضح ترین صورت، یعنی کتاب و سنت پر مشتمل حنیفیۃ السمحة کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ جس میں رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳] فرما کر رہتی دنیا تک کے انسانوں پر حجت قائم اور تمام کردی، لہٰذا

من هلك عن بينه ويحيى من حي عن بينه .
اور واضح طور پر بتا دیا کہ دنیا و آخرت کی فلاح اسی نظام کی کامل اتباع و تنفیذ کے ساتھ وابستہ و مشروط ہے:

﴿الْم ۝ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾ [البقرة: ۱-۵]

”ال م۔ یہ (قرآن) وہی کتاب منتظر ہے، اس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں، اہل تقویٰ کے لیے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان لاتے، آداب کے ساتھ نماز ادا کرتے اور جو کچھ ہم نے انھیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں اور جو کتاب و شریعت (اے نبی ﷺ!) تم پر نازل کی گئی اور جو کتاب و شریعت تم سے پہلے نازل کی گئی سب پر ایمان لاتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

تو اسلام کے لائے ہوئے نظامِ معیشت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ربانی ہے۔ اس کے بعد ایک صاحب ایمان کو کچھ اور جاننے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ تاہم رسم دنیا نبھانے کے لیے اور اجتماع احباب کے نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس نظامِ معیشت کے امتیازی خصائص پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اس ایمان و یقین کے ساتھ کہ اس کے خصائص و امتیازات کا احاطہ حد امکان سے باہر ہے، لیکن دادوا الذین آمنوا ایمانا ولا یرتاب الذین أوتوا الكتاب والمؤمنون . (جاری ہے)

امام عبد الجبار غزنوی رحمہ اللہ کی زندگی کے چند واقعات (اور ایک واقعے کی تحقیق)

محمد اشرف جاوید بن محمد صدیق، فیصل آباد

قندھار کے قاضی:

قاضی القضاۃ قاضی غلام نے ملا سعد الدین مقری کو ایک خط لکھا جس میں ملاکٹر کی شکایت کی اور حضرت عبد اللہ غزنوی کے اوصاف حمیدہ کا یوں ذکر فرمایا:

”حقائق و معارف آگاہ، موفق من عند اللہ، قائد الخلق الی صراط اللہ، محی السنہ و قاطع بدعت میاں محمد اعظم (سید عبد اللہ غزنوی) کے حق میں یہ کہنا بجا اور درست ہے: ”مملوء بالسنة من الفرق إلى القدم.“ یہ انسان سر سے پاؤں تک سنت میں ڈوبا ہوا ہے۔“

مخالفت کیوں:

”جب سید عبد اللہ غزنوی نے خالص توحید اور اتباع سنت کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور بدعات و شرکاتہ رسوم کے خلاف آواز اٹھائی تو خواص و عوام میں سے بہت سے لوگ، علماء اور حکام، جو آپ کے ارادت مند تھے، مخالف ہو گئے اور ایذا رسانی کے درپے ہوئے۔ اس علاقے کے علماء آپ کے ساتھ عمل بالحدیث خلاف مذہب کے مسئلے پر مباحثہ کرنے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ آپ کی کرامتوں میں ایک کرامت تھی کہ تمام علماء نے اعتراف کیا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ علمائے سوء نے امیر دوست محمد خان کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ اس شخص کو اگر ایک سال یونہی مہلت دی گئی تو تمہاری بادشاہت کو برباد کرے گا اور نظام حکومت میں خلل

پاک و ہند کی سرزمین میں خاندان غزنویہ کا کتاب و سنت کی ترویج میں گراں قدر حصہ ہے۔ حضرت مولانا سید عبد اللہ غزنوی عامل بالحدیث تھے۔ مولانا کی زندگی نمونہ سلف تھی۔ ان کے بعد امام عبد الجبار غزنوی اور مولانا عبد الواحد غزنوی کی خدمات اسلام قابل تعریف ہیں۔ امرتسری وادی میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم (مولانا غلام علی امرتسری کے بعد) انھوں نے بلند و بالا کیا۔ ان کے بیٹے مولانا محمد داود غزنوی رحمہ اللہ جن کو آزادی وطن کی خاطر بہت دفعہ قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی اور انگریز کے خلاف بہ قول شورش آپ ہی نے اولاً پرچم بلند کیا جب لوگ حجروں میں بند تھے، پھر ساری عمر حق کی خاطر دن رات مصروف عمل رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی خدمت کو تحریری شکل نہ دے سکے۔ اگر آج بھی کوئی صاحب دل سید عبد اللہ غزنوی کے ملفوظات فارسی کا اردو میں ترجمہ کر دے تو یہ یقیناً لائق تحسین عمل ہوگا۔ اس مضمون میں حضرت مولانا عبد الجبار غزنوی والد محترم مولانا سید محمد داود غزنوی کے چند واقعات لکھے جائیں گے۔

جناب سید عبد اللہ غزنوی رحمہ اللہ کی حالت یہ تھی کہ امراء اور دنیا داروں سے آخر دم تک گریزاں رہے۔ ان کے انتہائی اصرار کے باوجود ان سے ملاقات نہ کرتے تھے اور اپنے بچوں اور دوستوں کو ہمیشہ نصیحت کرتے رہے کہ دنیا داروں کی صحبت سم قاتل ہے۔ اپنے رب کی طرف متوجہ رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ضائع نہ کریں گے۔

(سیدی وابی ص: ۲۲۴)

ڈال دے گا۔ مخالفین نے امیر سے کہا: اس شخص سے ہم کوئی گفتگو اور مناظرہ نہیں کریں گے، ہم گواہیوں سے ثابت کریں گے کہ یہ شخص ایسے کلمات بولتا ہے جس سے اس کے کافر اور مرتد ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا، چنانچہ جھوٹے گواہوں نے شہادت دی:

۱: یہ شخص حضور ﷺ کا منکر ہے۔

۲: شفاعت کا منکر ہے۔

۳: خود نبوت کا مدعی ہے۔

امیر سمجھ گیا کہ یہ سب جھوٹ ہے مگر ڈر کے مارے یہ علماء ملک میں فساد و ہنگامہ برپا کریں گے، آپ کو کابل سے نکال دیا۔“ (سیدی وابی، ص: ۲۲۷)

یہ تھے ہمارے مدوح سید عبداللہ غزنوی جن کو اپنے عقیدہ توحید کی اشاعت اور اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کی اشاعت میں اپنے ملک کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خیر باد کہنا پڑا۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ﴾ [الحج: ۴۰]

”وہ جنہیں ان کے گھروں سے کسی حق کے بغیر نکالا گیا صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے۔“

مولانا عبدالجبار غزنوی:

مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ اپنے عظیم باپ کے ساتھ ہر موقع اور تکلیف میں ساتھ رہے۔ سفر و حضر اور ہجرت میں معاون اور قدم بہ قدم ساتھ تھے۔ مولانا پر وہی توحید و اتباع سنت کا غلبہ، وہی زہد و توکل، وہی قرآن و حدیث کی اشاعت و تبلیغ کا جذبہ تھا۔

مولانا عبدالحی ”نزہۃ الخواطر“ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر خیر کرتے ہیں:

”ان کی ولایت و جلالت شان پر اہل زمانہ کا اتفاق ہے۔

۱۳۳۱ء میں انھوں نے وفات پائی۔ امرتسر میں وہ اپنے

خاص رنگ میں قرآن کا درس دیتے تھے۔ ”ہرچہ ازل و خیر

و بر دل ریزد“ کے بہ مصداق سننے والوں پر وہ اثر کرتا تھا جو بڑے بڑے عالمانہ و محققانہ درسوں، علمی مویشگافیوں و فنی نکتہ آفرینیوں کا نہیں پڑتا۔ یہ حضرات عامل بالجریث ہونے کے ساتھ اہل دل اور صاحب نسبت بھی تھے۔“

(پرانے چراغ: ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸)

امام خان نوشہروی تحریر کرتے ہیں کہ مولانا عبدالجبار تفسیر میں بے بدل تھے۔ اپنے ظاہری و باطنی صلاح و تقویٰ کی وجہ سے خود نہیں دوسروں نے بھی آپ کو امام صاحب سے خطاب کیا اور بجا طور پر۔

(ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص: ۱۸۷)

اور لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ غزنوی سے مدون روحانی اور علمی فیض حاصل تھا اور شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی سے سند حدیث حاصل کی۔ بہت ذہین اور مطالعہ بہت کرتے تھے۔ فہم و فراست سے انھیں حظ وافر ملا تھا۔

امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس کے شغل میں منہمک رہتے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں مشغول رہتے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑی باقاعدگی اور یکسوئی سے کرتے اور ذکر کے دوران ان پر بڑی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ مولانا عبدالحی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی کئی بار امرتسر میں زیارت کی ہے۔ میں نے انھیں سلف صالحین کے مسلک پر پایا۔ وہ علمائے ربانی میں سے تھے۔ (سیدی وابی، ص: ۲۲۵، نزہۃ الخواطر: ۸/۲۱۸، ۲۱۹)

مولانا عبدالحی کے الفاظ ہیں:

”فألفيته على قدم السلف الصالحين، من العلماء الربانيين، وكان لا يلتزم المذهب المعين. (نزہۃ الخواطر: ۸/۲۱۹)

یعنی حضرت امام عبدالجبار غزنوی کسی کے مقلد نہ تھے۔

ان کی زندگی کا ایک واقعہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے یوں نقل کیا ہے:

”اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ندوۃ العلماء کا امرتسر میں سالانہ اجلاس

رکھتے تھے۔ اگر ان کو پتا چل جاتا کہ کوئی اہل حدیث آیا ہوا ہے تو گھوڑے پر سوا ہو کر اس کو مناظرے کی دعوت دیتے تھے۔ پھر اہل علم کی صحبت نے مزاج کی تیزی کو نرم کر دیا۔ اسی طرح مولانا محمد علی مونگیری بھی خفی عالم ہیں، ان کا اعتراف ایک حقیقت رکھتا ہے۔
ریاست مالیر کوئلہ اور شراب:

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر (۳ اگست ۱۹۳۵ء، ص: ۱۵) میں لکھا ہے کہ پنجاب میں ایک اسلامی ریاست ہے۔ موجودہ والی ریاست کے والد نواب ابراہیم خان صاحب بڑے نیک دل حاکم تھے۔ دو عالم: مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی امرتسری اور مولوی نظام الدین ان کے مصاحبین میں سے تھے۔ ریاست میں معمولی عملہ تھا۔ ایک تحصیل دار، ایک عدالتی حاکم اور خود والی ریاست، محکمہ اپیل اور بس۔ محاصل کل اڑھائی لاکھ سالانہ تھے۔ نہ کوئی شراب کی دکان تھی نہ سٹہ نہ قمار بازی۔ رعایا سب خوش و خرم تھی۔ یہ نیک دل لوگوں کی مجالس کا اثر تھا۔
مولانا کا غیر مسالک سے حسن سلوک:

”مولانا شہاب الدین فاضل دیوبند خطیب جامع مسجد گورنمنٹ کواٹر چوہدری گارڈ لاہور نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں جب دیوبند میں زیر تعلیم تھا تو ایک دفعہ ایک ماہ کی رخصت کے لیے دارالعلوم بند ہو گیا۔ مہتمم دارالعلوم نے طلباء کو اپیل کی کہ واپسی کے وقت اپنے اپنے علاقوں سے دارالعلوم کے لیے امدادی رقوم فراہم کر کے لائیں۔ میں امرتسر کے سٹیشن پر اتر پڑا اور رات گزارنے کے لیے غزنویوں کی مسجد میں جا ٹھہرا۔ رات کے دو بجے تہجد کی نماز کے لیے ایک شخص مسجد میں آیا۔ خشیت و خوف کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو مسجد کی چٹائی پر اس طرح ٹپک رہے تھے جس طرح بارش کی وجہ سے چھت سے قطرے ٹپکتے ہیں۔ چونکہ مسجد میں اندھیرا تھا میں نے دیاسلائی جلا کر معلوم کرنا چاہا کہ یہ کون صاحب ہیں، معلوم ہوا کہ مولانا

تھا۔ ہندوستان کے چوٹی کے علماء و مشاہیر شریک تھے۔ نواب یار جنگ، مولانا حبیب اللہ خان شروانی راوی ہیں کہ علامہ شبلی بھی ایک دن اس درس میں شریک ہوئے، وہاں سے آکر اپنا تاثر بیان کیا اور فرمایا: جس وقت وہ شخص اپنی زبان سے اللہ کا نام لیتا تھا تو بے اختیار جی چاہتا تھا کہ سراسر کے قدموں پر رکھ دیجیے۔“

(پرانے چراغ: ۶۷/۲، تحریک ختم نبوت: ۳۳۲/۱)

الحمد لله ولی الله وہی انسان ہو سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن کتاب و سنت کے مطابق ہو۔
نیکی کے اثرات:

”اس کے راوی بھی مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ رات کو کھانے پر جلسے کے سب مہمان جو ملک کے گوشہ گوشہ سے آتے تھے اور مقامی علماء اور معززین بھی شریک تھے، جس کمرے میں کھانا کھلایا جا رہا تھا اس میں بیچ کے ہال کے علاوہ بغل میں دائیں بائیں کمرے تھے۔ دسترخوان ایک تھالین کمرے کے الگ ہونے کی وجہ سے ایک طرف کا آدمی دوسری طرف کے آدمی کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میری نشست جہاں تھی وہاں مولانا عبدالجبار غزنوی بھی رونق افروز تھے۔ مولانا سید محمد علی مونگیری (ناظم ندوۃ العلماء) دوسرے کمرے میں تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا: مولوی حبیب الرحمن! تمہارے پاس اور کون کون بیٹھا ہوا تھا؟ میں نے چند مشاہیر کے نام بتائے۔ مولانا برابر پوچھتے رہے کہ اور کون تھا؟ آخر میں میں نے مولانا عبدالجبار غزنوی کا نام لیا۔ کہنے لگے کہ ہاں، اب میں سمجھا، میرا دل بے اختیار اس طرف کھینچ رہا تھا۔ اس کی یہی وجہ تھی۔“ (پرانے چراغ: ۶۷/۲، تحریک ختم نبوت، ڈاکٹر بہاء الدین: ۳۳۲/۱)

مولانا شبلی نعمانی ایک وقت میں اہل حدیث کے ساتھ انتہائی بغض

عبدالجبار صاحب غزنوی ہیں۔ مولانا عبدالجبار صاحب اس وقت نماز ختم کر کے مسجد سے نکل چکے تھے۔ صبح ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا بیان کیا کہ حضرت میں دیوبند سے آیا ہوں۔ طالب علم ہوں اپنے دارالعلوم کے لیے کچھ امداد کا طالب ہوں۔ مولانا عبدالجبار رحمہ اللہ نے جمعہ کے خطبہ میں چندے کے لیے اپیل کی۔ چندہ جمع ہوا اور میرے حوالے کیا۔“ (سیدی دہلی ص: ۱۱۲)

دعا کی قبولیت:

آپ ان کے نیکی اور تقویٰ کے واقعات پڑھ چکے ہیں۔ ان کی دعا میں ایک اثر تھا۔ یہ صرف کتاب و سنت کی اتباع کا اثر تھا۔ واقعہ یوں ہے:

”ایک عرصہ ہوا کہ مدراس سے دو آدمی چمڑے کی تجارت کے لیے امرتسر آئے۔ ان کے ساتھ ایک مدراسی ملازم بھی تھا جس کا نام اسماعیل تھا۔ اسماعیل فجر کی نماز روزانہ حضرت الامام مولانا عبدالجبار کی اقتدا و امامت میں ادا کرتا۔ ایک روز انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور یہاں کیا کام کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا: میرا نام اسماعیل ہے۔ مدراس کا رہنے والا ہوں اور دو مدراسی سیٹھوں کے ساتھ ملازم کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر امام صاحب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے بتایا کہ اسماعیل کہا کرتا تھا: امام صاحب دعا مانگ رہے تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا دولت میری جھولی میں گر رہی ہے۔ نماز اور دعا کے بعد وہ واپس گھر گیا تو سیٹھوں نے کہا: اسماعیل تم بہت عرصے سے ہمارے ساتھ ہو۔ ہم نے تم کو دیانت دار، محنتی اور امین پایا ہے۔ لہذا ہم نے آج سے تمہیں اپنے کاروبار میں شریک کر لیا ہے اور تمہارا ایک خاص حصہ مقرر کر دیا ہے۔ اپنے حصے کی رقم تم نقد ادا نہیں کرو گے بلکہ تمہارے

حصے کے منافع سے ادا ہوتی رہے گی۔ اس کے بعد چند مہینوں میں وہ اس درجہ امیر ہو گیا کہ اسماعیل سے کا کا اسماعیل بن گیا۔ کا کا مدراسی زبان میں سیٹھ کو کہتے ہیں۔ کا کا اسماعیل نہایت نیک آدمی تھے۔ انھوں نے صوبہ مدراس کے ضلع ارکاٹ میں کئی ایکڑ زمین خریدی۔ اس کا نام محمد آباد رکھا۔ وہاں ایک بڑا اسلامی دارالعلوم قائم کیا جو اب تک کامیابی سے چل رہا ہے اور ہندوستان کے مشہور اسلامی مدارس میں سے ہے۔ مولانا محمد داود غزنوی نے بتایا کہ اس دارالعلوم کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں مجھے باقاعدہ دعوت شرکت دی جاتی تھی۔ میں جاتا تو کا کا اسماعیل اور ان کے خاندان کے لوگ انتہائی احترام سے پیش آتے۔“

(سیدی دہلی ص: ۱۳۳، ۱۳۴)

محمد آباد یا عمر آباد؟

اس واقعے میں جگہ کا نام محمد آباد لکھا ہے، جیسا کہ آپ حضرات نے اوپر پڑھا ہے۔ لیکن مولانا اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

”کا کا اسماعیل اہل حدیث اور نہایت نیک آدمی تھے۔ صوبہ مدراس کے ضلع ارکاٹ میں انھوں نے کئی ایکڑ زمین خریدی، اسے آباد کیا اور اپنے والد محمد عمر کے نام سے اس کا نام عمر آباد رکھا۔ جامع دارالسلام کے نام سے بہت بڑا دارالعلوم قائم کیا جو کامیابی سے چل رہا ہے۔“

(نقوش عظمت رفتہ ص: ۳۰)

صوفی عبداللہ رحمہ اللہ کی کتاب میں لکھا:

”اسماعیل نے مدراس کے ضلع ارکاٹ میں بہت بڑا قریہ خریدا اور اپنے باپ کے نام سے اس کا نام عمر آباد رکھا۔ وہاں ایک درس گاہ بنائی جسے جامعہ اسلامیہ عمر آباد کے نام سے موسوم کیا۔ یہ واقعہ مجھے مولانا محمد داود غزنوی نے سنایا۔“

(صوفی عبداللہ ص: ۳۵۳)

ان دو حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ

دارالعلوم کے بانی اسماعیل کے والد محمد عمر ہیں، جیسا کہ معارف انڈیا نے کا محمد اسماعیل کی وفات پر لکھا:

”کا محمد اسماعیل رحمہ اللہ مدرسی علاقہ مدراس ضلع ناتھارکاٹ کا تاریخی مقام گڑھ آمبور کا محمد اسماعیل کا وطن تھا۔

آپ کے والد کا حاجی محمد عمر ایک دین دار بزرگ، دولت مند تاجر، علماء کے عقیدت مند، فیاض اور غریب پرور تھے۔

دینی اور اصلاحی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ مدراس کی روشن کمپنی جو علم نوازی میں مشہور تھی اب بند ہو گئی، آپ اس کے ایک رکن تھے۔ گڑھ آمبور سے متصل اپنے نام کی

مناسبت سے عمر آباد ایک گاؤں آباد کیا اور وہیں ایک اعلیٰ دینی درس گاہ مدرسہ دارالسلام کے نام سے ۱۹۲۴ء میں قائم

کی۔ چند سال بعد دسمبر ۱۹۲۷ء میں آپ کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

(معارف، ج: ۸، ص: ۸۳، ش: ۴، ص: ۳۱۳، اکتوبر: ۱۹۵۹ء)

تو اس سے ثابت ہوا کہ مدرسہ کے بانی حاجی محمد عمر ہیں نہ کہ جناب کا محمد اسماعیل۔

دارالعلوم کا نام:

”جامعہ عربیہ دارالسلام۔ مقام عمر آباد ہے۔ بانی حاجی محمد عمر۔“

(ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات از امام خان نوشہروی، ص: ۱۶۳)

امام خاں صاحب کی بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے:

”محمد عمر خاندانی اہل حدیث تھے اور حدیث سے قریب

کرنے کو طلباء اور اساتذہ دونوں میں احناف کو بھی جامعہ

میں رکھا اور تو اور جامعہ کے پہلے دو ناظم حنفی مسلک کے عالم

تھے، بانی جامعہ کا محمد عمر کے مقرر کیے ہوئے تھے۔“

(نذرانہ اشک، ص: ۴۱۳)

اور اسی کتاب میں ہے یہ بھی لکھا ہے:

”بانی دارالسلام اور بانی عمر آباد کے تین فرزندوں میں بڑے

دارالسلام کے معتمد سرپرست کا کا اسماعیل تھے۔“

(نذرانہ اشک، ص: ۴۰۹)

۱: اسماعیل کا کا نے خود زمین خرید کر دارالعلوم قائم کیا۔

۲: مقام کا نام عمر آباد اپنے والد محترم کے نام پر رکھا۔

۳: دارالعلوم کا نام جامعہ دارالسلام رکھا۔

۴: دارالعلوم کا نام جامعہ اسلامیہ رکھا۔

کیونکہ صوفی محمد عبداللہ صاحب کے حالات میں محمد آباد کی جگہ عمر آباد لکھا ہے جو درست ہے۔

جناب محترم اسحاق بھٹی صاحب اپنی تازہ تصنیف میں یوں رقم طراز ہیں:

”یہاں ایک غلطی کا ازالہ ضروری ہے۔ میں نے اپنی کتاب

نقوش عظمت رفتہ (ص: ۲۹، ۳۰) پر ایک واقعہ لکھا جس میں

بتایا گیا کہ ۱۹۵۸ء میں مدراس سے ایک شخص عزیز اللہ

صاحب تشریف لائے، انھوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ اسماعیل

ملازم کی حیثیت سے مدراس کے دو تاجروں کے ساتھ امرتسر

آئے اور ان کے لیے مولانا سید محمد داود غزنوی کے والد مکرم

امام سید عبدالجبار نے اللہ سے دعا کی تو وہ خود بہت بڑے

تاجر ہو گئے۔

۲۹ جون ۲۰۰۸ء کو میری ملاقات مدینہ میں مدینہ یونیورسٹی

کے بعض طلباء سے ہوئی جو دارالعلوم عمر آباد کی طرف سے

یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ کا کا

اسماعیل امرتسری ملازم کی حیثیت سے نہیں بلکہ بعض مدراسی

تاجروں کے ساتھ تاجر کی حیثیت سے گئے تھے۔

مجھے عزیز اللہ کی بات سمجھنے میں غلطی ہوئی، یہ آج سے پچاس

سال پہلے کی بات ہے۔“ (گلستان حدیث، ص: ۳۲۶، حاشیہ)

بھٹی صاحب نے اس واقعہ کو لکھ کر ثابت کیا کہ کا کا اسماعیل ملازم

نہیں تاجر تھے۔

دارالعلوم کا بانی کون؟

ہمارے محترم جناب بھٹی صاحب کے لکھنے کے مطابق دارالعلوم کا

بانی کا کا اسماعیل ہے۔ لیکن درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس

ادارے بہ ذاتِ خود چلاتے تھے۔ حسب ذیل ادارے آپ کی یادگار ہیں:

جامعہ دارالسلام۔ محمدیہ سکول۔ مدرسہ نسواں۔

جناب کا صاحب کی وفات ۱۹۵۹ء میں ہوئی۔“

(معارف، ج: ۸۴، ص: ۳۱۴، اکتوبر: ۱۹۵۹)

دعا کس کے لیے کی گئی؟

ہمارے محترم جناب محمد اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”حضرت الامام نے سیٹھ کا اسماعیل کے لیے گڑگڑا کر اللہ

تعالیٰ کے حضور دعا کی اور امام صاحب دعا مانگ رہے تھے،

یوں محسوس ہوتا تھا کہ دولت میری جھولی میں گر رہی ہے۔“

(صوفی محمد عبداللہ، ص: ۳۵۲، نقوش عظمت رفتہ، ص: ۳۰)

لیکن حقائق و واقعات یہ نہیں بلکہ جس کے لیے دعا کی گئی وہ حاجی

محمد عمر تھے، جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے لکھا:

”عمر آباد مدراس میں حاجی عمر (روشن کمپنی) کا خاندان ایک

خاص حیثیت رکھتا ہے۔ حاجی صاحب امرتسر کے علمائے

غزنویہ سے فیض سے مستفیض اور توحید و سنت کے متبع تھے۔

کامیاب تاجر تھے، اپنے نام سے شمالی اڑکٹ میں ایک

زمین خرید کر عمر آباد نام کا ایک مقام آباد کیا تھا اور وہاں ایک

بڑے عربی مدرسہ دارالسلام کی بنیاد رکھی تھی۔ چند سال

ہوئے کہ انھوں نے وفات پائی۔ تین صالح اولادیں یادگار

چھوڑیں: اسماعیل، ابراہیم، اسحاق۔

سب سے بڑے اسماعیل کاروبار کے نگران ہیں۔ ابراہیم

نے جو مچھلے تھے مدرسہ کی دیکھ بھال اور اس کے قیام و ترقی کو

اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا تھا۔ ابھی پچھلے سال جوہری

طنطاوی کی تفسیر کا اردو ترجمہ ایک ہزار روپے صرف کر کے

مطبع معارف سے چھپوایا تھا۔ مدرسہ کے لیے کتب خانہ تنہا

اپنی ذات سے کتابیں خرید کر فراہم کیا تھا، اس کے لیے ایک

ان دونوں حوالوں سے مدرسہ کا نام اور بانی مدرسہ کا نام واضح

ہو جاتا ہے، چنانچہ جو ہمارے محترم محمد اسحاق رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے کہ

مدرسہ کو جامعہ اسلامیہ عمر آباد کے نام سے موسوم کیا، درست معلوم

نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل نام جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے وہی درست ہے،

یعنی جامعہ عربیہ دارالسلام۔

مزید سنیے گا.....!

مولانا عزیز الرحمن سلفی نے مدارس کی تاریخ پر ایک جامع کتاب

مرتب کی جس کی اشاعت جامعہ سلفیہ بنارس نے کی، وہ مدارس کے

تعارف کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

”جامعہ دارالسلام عمر آباد کا قیام دسمبر ۱۹۲۴ء میں عمل میں

آیا۔ اس کے مؤسس جناب الحاج کا محمد عمر رحمہ اللہ ہیں۔

گاؤں کا نام بھی انھیں کے نام پر رکھا گیا کیونکہ انھوں نے یہ

بستی بسائی تھی۔ جامعہ کے چوتھے سال ۱۹۲۷ء میں جناب

حاجی کا محمد عمر بانی جامعہ کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ

راجعون۔

یہ بار کا محمد اسماعیل کے کندھوں پر آ گیا۔ چنانچہ انھوں نے

۱۹۲۷ء سے ۱۹۵۹ء تک یہ ذمے داری سنبھالی اور حافظ محمد

پنجابی نے دو سال تک یہاں تدریسی فرائض انجام دیے۔“

(جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، ص: ۲۱۱، ۲۱۲، نقوش ماضی

جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، مرتبہ: عابد حسن، عزیز الرحمن

سلفی، ص: ۲۰۰)

کا کا محمد اسماعیل:

”حاجی محمد عمر کی وفات کے بعد آپ کے فرزند اکبر کا محمد

اسماعیل نے جملہ کاروبار کو نہایت خوبی سے سنبھالا۔ والد

محترم کی جملہ خوبیوں کے علاوہ آپ میں اور بھی بہت سے

کمالات تھے۔ علمی اور دینی خدمت کے جذبے سے سرشار

تھے، دولت کا بیشتر حصہ ملا۔ قومی کاموں میں خرچ کرتے

تھے۔ صاحب دل مخلص اور متبع سنت تھے۔ متعدد علمی

گھوڑی پر لادا۔ ہم امرتسر مسجد غزنویہ میں پہنچے تو فجر کی جماعت ہو رہی تھی۔ والد نے مجھے اٹھایا اور مسجد کے صحن میں رکھ دیا۔ گھوڑی باہر باندھی اور خود وضو کر کے جماعت میں شریک ہوئے۔ جو بزرگ امامت کر رہے تھے وہ اس درد و سوز سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ دل ان کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ نماز کے بعد انھوں نے میری طرف دیکھا، ادھر والد نے آگے بڑھ کر درخواست دعا کی۔ انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، جیسے جیسے وہ دعا مانگ رہے تھے یوں احساس ہوتا تھا جیسے میرے جوڑوں کی بندش کھل رہی ہے۔ تین دن ہم وہاں رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں تندرست ہو کر واپس آیا۔ اب جسمانی حالت کے ساتھ ہماری روحانی دنیا بھی بدل چکی تھی۔ اس کے بعد ہم ان کے مرید اور وہ ہمارے مرشد۔“ (سیدی وانی، ص: ۱۳۲)

عمارت بھی بنوائی تھی۔ افسوس کہ یہ پھول کھلنے سے پہلے مرجھا گیا۔“ (یاد رفتگاں، ص: ۱۸۷)

یہ صاحب سیٹھ ابراہیم بن حاجی محمد عمر تھے۔

اس واقعے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس کے لیے دعا کی تھی وہ حاجی محمد عمر تھے جن کے بعد مہتمم ادارہ ابراہیم صاحب ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد کا کا اسماعیل اس دارالعلوم کے نگران مقرر ہوئے۔ واللہ اعلم

✽ ملک احمد نمبر دار فیروز وٹواں بیان کرتے ہیں:

میں اٹھارہ سال کا تھا، مجھے گنٹھیا کا مرض لاحق ہو گیا۔ والد نے بہت علاج کرائے مگر آرام نہیں آیا۔ کسی نے بتایا کہ امرتسر میں ایک بزرگ مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ رہتے ہیں، وہ دعا کرتے ہیں اور لوگ صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس زمانے میں گھوڑی کے سوا اس گاؤں سے امرتسر جانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، چنانچہ گھڑی کی شکل میں والد نے مجھے

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہم اعلان

اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل مکمل سیٹ مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل فوکلر خوب صورت اور مدلل سات اشتہار کا درج ذیل سیٹ مفت زیر تقسیم ہے:

رابطہ بذریعہ فون
صبح 7 بجے سے
10 بجے تک

- ①..... کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی دس شکلیں!
- ②..... نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت!
- ③..... نماز، روزہ کے محمدی دائمی اوقات! ④..... اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام! ⑤..... سورۃ فاتحہ خلف الامام!
- ⑥..... نبی ﷺ سے آمین بالجہر کا ثبوت! ⑦..... اثبات رفع الیدین!

ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات مکمل سیٹ مفت منگوائیں اور فریم کروا کر اپنے زیر انتظام مساجد و دینی مراکز میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔

یہ اشتہارات مساجد و مراکز کی زینت اور مسائل حقہ کی ترویج کا بہترین و موثر ذریعہ ہیں۔ ڈاک خرچ ادارہ خود برداشت کرے گا۔

(مولانا) محمد سلیمین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان موبائل: 0333-8556473

نہیں روک سکتا۔ یورپ حیا سے عاری ان تہواروں کے نتائج دیکھ چکا ہے۔ اگر ان حیا سوز تہواروں کے آگے بند نہ باندھا گیا تو ہم بھی اس عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ یورپ میں بھی یہ سب کچھ ایک سال میں نہیں ہو گیا تھا، ان کے ہاں بھی خاندانی نظام کی تباہی اور جنسی انقلاب آہستہ آہستہ وقوع پذیر ہوا تھا۔ یورپ کے دانش ور خاندانی نظام کی بحالی کی دہائی دے رہے ہیں مگر اب پانی ان کے سروں سے گزر چکا ہے۔ ہمارے ہاں اس وقت محض ایک قلیل تعداد اس خطرناک اخلاقی دیوالیہ پن کا شکار ہوئی ہے، ہماری آبادی کی اکثریت اس آگ کی پیش سے اب تک محفوظ ہے۔ ابھی وقت ہے کہ آگے بڑھ کر چند جھاڑیوں کو لگی آگ کو بجھا دیا جائے، ورنہ یہ آگ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی.....!!!

بقیہ: غنیۃ القاری

رسول اللہ ﷺ کو ان سے انتہائی محبت تھی، یہاں تک کہ دعائیں حسن بن علیؑ کے ساتھ ان کو بھی شامل فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ کو اپنے ساتھ لیتے اور دعا فرماتے: ”اے اللہ تو بھی ان دونوں سے محبت کر، میں بھی ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔“ ایک اور بخاری کی روایت میں ہے کہ مجھے ایک زانو پر بٹھاتے اور دوسرے زانو پر حسن کو بٹھاتے، پھر دعا کرتے: ”اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما، میں بھی ان دونوں سے رحمت و شفقت کرتا ہوں۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں: اسامہ اس بات پر نہایت خوشی کا اظہار کرتے تھے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کو نہایت محبت ہے اور وہ ان کے بیٹے ہیں۔ محبوب خدا ﷺ کی جب وفات ہوئی تو اسامہ کی عمر بیس برس تھی۔

بقیہ: ویلنٹائن ڈے

حکومت، میڈیا اور تعلیمی اداروں کے منتظمین واساتذہ کے ساتھ ساتھ والدین کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کریں۔ انھیں ان بے ہودہ تہواروں سے لائق رہنے کی تلقین کریں اور ان دنوں ان کی خصوصی نگرانی بھی کریں کہ کہیں وہ شیطان کے جال میں پھنس کر کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں۔

یاد رکھیں! اگر یہ سلسلہ نہ چلتا رہا اور تمام ذمہ داران اخلاقیات کے دشمن ان تہواروں سے صرف نظر کرتے رہے تو آج مغرب جس صورت حال سے دوچار ہے وطن عزیز میں اس کے پیدا ہونے کو کوئی

معلومات داخلہ برائے سعودی یونیورسٹی

وہ حضرات جنہوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس کے مساوی، یا کسی دینی مدرسے سے العالیہ کی سند حاصل کی ہو اور ان کی عمر ۲۳ سال سے زائد نہ ہو، یا پچھلے پانچ سالوں میں بی اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر ۳۰ سال سے زائد نہ ہو۔

رابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی پی ایچ ڈی) سابق مترجم مولجہ شریفہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ، چیئر مین ادارہ اشاعت اسلام لاہور۔ رابطہ: 0306-4476055

مفتی عبید اللہ عقیف رحمہ اللہ کے لیے دعائے صحت

حضرت مولانا مفتی عبید اللہ خان عقیف رحمہ اللہ گزشتہ ہفتے سے مٹانے کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ احباب جماعت موصوف کی صحت کاملہ و عاجلہ کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ مفتی صاحب کا رابطہ نمبر 0301-4413004 ہے۔ اللہم اشفہ شفاء کاملًا عاجلاً۔ (ادارہ)

حافظ عبدالشکور مدنی کے بیٹے کے لیے دعائے صحت

حافظ عبدالشکور مدنی مدرس جامعہ اہل حدیث چوک داگراں لاہور کے چھوٹے بیٹے حمزہ عبدالشکور ان دنوں شدید علیل ہیں۔ گردن توڑ بخار، ٹائیفائیڈ، نمونیہ جیسے عوارض کے باعث اتفاق ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ احباب اس کے لیے دعائے صحت فرمائیں۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

غزل

فراقِ یار کی سوزش میں جل ذرا اے دل!
مثالِ شمع فروزاں پگھل ذرا اے دل!

جہاں میں مرگ سے پہلے جمود کیا معنی
کسی کے ذوقِ طلب میں مچل ذرا اے دل!

مثالِ بوئے گل تر ذرا پریشاں ہو
حصارِ شام و سحر سے نکل ذرا اے دل!

تخیلات میں کر پیدا وسعتِ صحرا
تفکرات کا محور بدل ذرا اے دل!

رہِ وفا سے نہ بہکیں قدم کہ یہ دنیا
طلسمِ ہوشربا ہے سنبھل ذرا اے دل!

پھر آج ہے دل نیرِ اسیرِ غم شاید
تُو چھیڑ پھر کوئی رنگیں غزل ذرا اے دل!

(نیرِ واحدی)